Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اکشت

تفہیم و تدریسِ اُردو

TAFHEEM-O-TADREES-E-URDU

برائے

زیرِ تربیت اساتذہ

بی۔ایڈ، ڈی۔ایڈ

FOR TEACHER TRAINING B-Ed., D-Ed.

مولف و مُصنّف :-

محمد اشرف بٹ

AKSHIT PUBLICATIONS

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اکشت

تفہیم وتدریسِ اُردو

برائے

زیرِ تربیت اساتذہ

بی۔ایڈ

ڈی۔ایڈ

مولف ومُصنّف:-

محمد اشرف بٹ

G.M. College of Education
Rajipur, Bantalab
Jammu.
Acc. No....10768....
Dated.....30-1-2015

طابع وناشر

اکشت پبلی کیشنس جالندھر

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

Published by :

AKSHIT Publications
JALANDHAR

نام کتاب : تفہیم وتدریسِ اُردو

نام مصنّف/مؤلّف : محمد اشرف بٹ
M.A. Urdu-B.Ed
N.E.T. Qualified
Ph.D-Scholar (JU)

برائے : بی۔ایڈ طلبہ (B. Ed.)

طابع وناشر : اکشت پبلی کیشنس جالندھر

© Copyright Reserved with the Publisher
All Right reserves. No part of this publication may be reproduced, stored i a retrieval system or transmitted, in any form or by any means, electronic, mechanical, photocopying, recording or otherwise, without the written permission of the publisher.

Price : Rs.300

Printed at :
BRIGHT PRINTERS, JALANDHAR

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

انتساب

جن کی بے لوث محبت و شفقت سے درخشاں ہے

میری حیات۔

جن کی زندگی کا ایک لمحہ بھی میری یاد سے غافل نہ

رہا۔

جن کی اُمیدیں ہمیشہ میرے سینے پر دستک دیتی

رہتی ہیں۔

جن کے خوابوں کی تعبیر ابھی ادھوری ہے۔

شعورِ عشق نے ذمے داریاں وہ بخشیں

کہ زندگی فقط اپنی ہی زندگی نہ رہی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

حرفِ آغاز

اُردو زبان و ادب کی درس و تدریس کی طرف موجودہ دور میں بہت کم توجہ دی جارہی ہے جبکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر دیگر زبانوں کی درس و تدریس کے لیے نت نئے طریقے ایجاد کیے جارہے ہیں۔ اُردو زبان و ادب کی تدریس دیگر زبانوں سے قدرے مشکل بھی ہے کیوں کہ بنسبت انگریزی اور ہندی کے اس کے حروفِ تہجی انفرادی اور عبارت میں بالکل یکساں نہیں رہتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ طلبہ کو حروفِ تہجی اور اُن کا تحریری استعمال بخوبی سکھایا جائے اور اُردو زبان کی تفہیم و تدریس سے بخوبی واقف کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہماری ریاست نے اساتذہ کے لیے وقتاً فوقتاً ٹریننگ کا سلسلہ عمل میں لایا ہے جہاں اساتذہ کو مختلف طریقۂ تدریس سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔

ڈی۔ایڈ اور بی۔ایڈ کے کورسز بھی اس سلسلے کی دو اہم کڑیاں ہیں۔ پچھلے پانچ برسوں سے میں ان دونوں اداروں سے منسلک رہا اور مجھے (Syllabus) کے متعلق جامع اور معقول کوئی بھی کتاب دستیاب ہو نہ سکی جو طلبہ کی رہنمائی میں کارگر ثابت ہو سکے۔ بعض کتابیں حد درجہ مختصر کہ مذکورہ کورسز کے لیے ناکافی، بعض اتنی ضخیم کہ کام کی باتیں اُن میں ڈھونڈنا کسی سخت کوشی سے کم نہ تھا۔ ضرورت اس بات کی محسوس ہوئی کہ جموں یونیورسٹی اور کشمیر یونیورسٹی کے (Syllabus) کے تحت کوئی جامع مگر مختصر کتاب ترتیب دی جائے جو طلبہ کے لیے مفید ثابت ہو سکے۔ اس ضمن میں میری یہ پہلی کوشش ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب میری نوکِ قلم سے نکل کر طلبہ کی نوکِ زباں ہو جائے۔ اس کتاب کو ترتیب دینے کے لیے میں نے بہت سی کتابوں سے استفادہ بھی کیا ہے، اور بعض ایسے مضامین بھی اس میں شامل ہیں جو تخلیقی ہیں۔ تخلیقی مضامین کی تعداد نصف سے تجاوز کر گئی ہے۔ اور یہ ہی تعداد اس کتاب کی طباعت کی ذمہ دار بھی بنی۔ یقین ہے کہ میری قلم سے نکل کر یہ کتاب ضرور طلبہ کے لیے مفید اور کارگر ثابت ہوگی۔

محمد اشرف بٹ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

University of Jammu, Jammu
B.Ed. Course
Syllabus for Teaching of Udru
2008-09 and Onwards

یونٹ–I

ا۔ اُردو زبان کا آغاز وارتقاء، جموں وکشمیر میں اُردو زبان کا آغاز وارتقاء، جموں وکشمیر میں اُردو زبان کی موجودہ صورتِ حال، اُردو کی تسمیہ (Nomenclature) اُردو کے مختلف نام، اُردو زبان کے آغاز وارتقاء سے متعلق نظریات مختلف ماہر لسانیات کے حوالے سے۔ میر امنؔ، رجب علی بیگ سرور، پنڈت رتن ناتھ سرشار، میر تقی میرؔ، مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، حسرتؔ موہانی، شادؔ عظیم آبادی اور فراقؔ گورکھپوری کی ادبی خدمات۔

۲۔ اُردو اِملا، اُردو اِملا کا آغاز وارتقاء، اعراب، رموز واوقاف کا استعمال۔ اُردو املا کے ارتقاء میں رشید حسن خان کی حصہ داری۔

۳۔ کرداری مقاصد، مفہوم اور اہمیت اُردو نثر ونظم کی تدریس کیلیے تحریری کرداری مقاصد کی اہمیت۔ مادری زبان، پرائمری اور ثانوی سطح پر مادری زبان پڑھانے کے مقاصد۔

یونٹ–II

ا۔ نصاب، مفہوم اور اہمیت، ثانوی سطح پر اُردو نصاب کے تعمیری اصول، نصاب کی ترقی وترویج کے اصول اور معقولات۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۲۔ درسی کتب، اُردو درسی کُتب کی اہمیت اور مفہوم، درسی کُتب کی خوبیاں، اُردو مُدرس کی خوبیاں۔

۳۔ زائداز نصابی مصروفیات (یا) تعلیم سے متعلق غیر نصابی سرگرمیاں (Co-Curricular Activities)، مفہوم، تعلیم سے متعلق غیر نصابی سرگرمیوں کی اہمیت بحوالہ:۔

i. بزم ادب - Literary Club 1.
ii. اسکول میگزین - School Magazine 2.
iii. ڈراما نگاری - Dramatics 3.
iv. کویز پروگرام - Quiz Programe 4.
v. مشاعرہ - Mushiarah 5.

یونٹ–III

۱۔ زباندانی سے متعلق ارتقائی ہُنر (گُر) بحوالہ:۔

i. سُننا - Listening 1.
ii. بولنا - Speaking 2.
iii. پڑھنا - Reading 3.
iv. لکھنا - Writing 4.

۲۔ مطالعہ اور لکھائی، تصور، مفہوم اور اہمیت، مطالعہ کی اقسام بلاجہر، بالجہر اور عمیق و سطحی مطالعہ۔

لکھنے کے ہُنر میں نقائص اور اُن کے سدھار، تشریحات، خلاصہ نگاری مضمون

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نگاری اور خطوط نگاری۔

۳۔(الف) اُردو نثر و نظم اور ڈراما کے تدریسی مقاصد نظامِ تعلیم کی مُختلف سطحوں پر۔

(ب) اُردو نثر و نظم، مقالہ و انشاء نگاری اور قواعد کا طریقہ تدریس

یونٹ–IV

۱۔سمعی و بصری توضیحات ،مفہوم اور اہمیت، اُردو زبان و ادب کی تدریس میں چاک بورڈ، نمونہ، نقشہ، ٹیلی ویژن، سمعی و بصری ٹیپ، کمپیوٹر اور لینگویج لیبارٹری کا استعمال۔

۲۔ تدریسی ہنر کی نشو و نما اور ترقی و ترویج۔

تصوّر اور صغرا سباقی منصوبہ یا چھوٹے اسباقی منصوبہ کے تدریسی ہنر کے اجزاء بحوالہ:۔

i. سوالیات - Questioning 1.

ii. کمک - Reinforcement 2.

iii. تشریحات - Explaination 3.

iv. کیفیت کی تبدیلی - Stumulus variation 4.

کوئی سے تین

۳۔منصوبۂ سبق۔مفہوم، بڑے پیمانے پر منصوبہ سبق کی اہمیت، یک سالہ اسباقی منصوبہ اور منصوبہ برائے نہ تدریس اسباقی ابواب۔

یونٹ–V

۱۔اُردو اسباقی منصوبہ کے اقدام۔ ہربارٹی اور RCEM پہونچ کے ذریعے،

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

فائدے اور نقصانات۔

۲۔ ثانوی سطح پر اُردو نثر و نظم کے اسباقی منصوبہ کی بناوٹ کے اصول اور تیاری۔

۳۔ تدریس اُردو میں جانچ و پرکھ (اندازۂ قدر) ۔علمِ واقفیت (Cognitive) رغبت و چسکا (Affective) اور نفسیاتی رو (Psychomotor) کی کرداری نشوونما۔ تشخیصِ جانچ (Diagnostic testing) وضاحتِ غلطی (Error Analysis) تدریسی مرمت (Remedial teaching)۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1۔	اُردو زبان کا آغاز وارتقا	11
2۔	جدید اُردو ادب کا آغاز	25
3۔	جموں وکشمیر میں اُردو کا آغاز وارتقا	26
4۔	جموں وکشمیر میں اُردو کی موجودہ صورتِ حال	31
5۔	اُردو زبان کی وجہ تسمیہ	35
6۔	اُردو کے مختلف نام	36
7۔	اُردو کے آغاز وارتقا کے متعلق مختلف ماہر لسانیات کے مختلف نظریات	37
8۔	میرؔ امن	42
9۔	باغ وبہار کا اُسلوب	46
10۔	رجب علی بیگ سرورؔ	48
11۔	پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ	54
12۔	میر تقی میر	60
13۔	مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ	72
14۔	حسرتؔ موہانی	77
15۔	شاد عظیم آبادی	79
16۔	فراق گورکھپوری	81
17۔	اُردو املا۔ ابتدا اور ارتقا	84
18۔	اُردو املا کے اہم قاعدے رشید حسن خاں کی خصوصی تحریر	88

CC-0.Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025 Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

19۔	کرداری مقاصد	91
20۔	مادری زبان میں تعلیم کا مطالبہ	103
21۔	اُردو نصاب کیسا ہونا چاہئے	114
22۔	درسی کُتب	116
23۔	اُردو مدرس کی خوبیاں	131
24۔	زائد از نصابی مصروفیات	143
25۔	زبان دانی سے متعلق ہنر (گُر) کا جائزہ	148
26۔	مطالعہ اور اُس کے اقسام	154
27۔	املانویسی کی اہمیت	163
28۔	اُردو شاعری کے تدریسی مقاصد کا تعین	170
29۔	اُردو ڈرامے کے تدریسی مقاصد	174
30۔	پرائمری سطح کی ابتدائی منزلوں میں تدریس اُردو کے مقاصد	177
31۔	تعلیم وتدریس کے وسطی درجوں (مڈل) سطح پر تدریس اُردو کے مقاصد	183
32۔	توضیحات یا امدادی سامانِ تعلیم	189
33۔	منصوبۂ سبق	196
34۔	اُردو منصوبۂ سبق کے اقدام	200
35۔	طریقۂ تعلیم	206
36۔	اُردو تلفظ کی تدریس	217
37۔	اعضائے تکلم	218
38۔	اُردو اصوات کی گروہ بندی	223
39۔	اُردو مصوتے	224
40۔	اُردو مصوتے اور انفیت	228

CC-0.Jamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُردو زبان کا آغاز وارتقا

اُردو زبان کا پس منظر

حضرت عیسیٰ کی ولادت سے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے آریہ ہندوستان میں داخل ہوئے۔ اس وقت یہاں دَراوِڑ قوم آباد تھی۔ آریوں کے ہاتھوں اس قوم کو شکست ہوگئی اور دراوڑوں کی بڑی تعداد نے دکن میں پناہ لی۔ شمالی ہندوستان پر آریہ قابض ہوگئے۔ لیکن دراڑوں کی اچھی خاصی تعداد یہاں بھی باقی رہی۔ جب دو قومیں کسی ایک علاقے میں بس جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ آپس میں لفظوں کا لین دین شروع ہوتا ہے۔ آریہ اپنے ساتھ جو زبان لے کر آئے تھے وہ خالص نہ رہ سکی۔ آریہ جیسے جیسے اس ملک میں پھیلتے گئے مقامی بولیوں کے الفاظ ان کی زبان میں شامل ہوتے گئے۔ مقامی باشندوں سے میل جول کے بعد ان کی اپنی زبان کے بہت سے لفظوں کا تلفظ بھی کچھ سے کچھ ہوگیا۔ آیوں کو یہ بات پسند نہ آئی۔ انھوں نے اپنی زبان کو منظم کرنے کی کوشش کی اور اپنی زبان میں صرف وہی الفاظ باقی رُکھے جو ٹکسالی تھے گویا ہر جگہ بولے جاتے تھے۔ اس طرح انھوں نے اپنی زبان کو مقامی بولیوں کے الفاظ سے پاک کرلیا۔ یوں مقامی اثرات سے پاک صاف ہوکر ایک معیاری زبان وجود میں آئی جس نے سنسکرت (شستہ) نام پایا۔ اس زبان کو بہت فروغ ہوا اور اس میں اعلےٰ درجے کا ادب پیدا ہوا لیکن عوام سے اس کا ناتہ ٹوٹ گیا اور پنڈتوں کی جاگیر ہوکے رہ گئی۔ اس کے بعد یہ سمٹتی چل گئی اور اس کا دائرہ محدود ہوتا چلا گیا۔ آگے چل کر جب مہاتما گوتم بدھ اور مہابیر سوامی نے اپنے مذاہب کی اشاعت کی تو انھوں نے مقامی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بولیوں کا سہارا لیا تا کہ ان کا پیغام عوام تک پہنچ سکے۔ ان بولیوں نے مذہب کا سہارا پایا تو تیزی سے ترقی کرنے لگیں اور جلد ہی سنسکرت جیسی ترقی یافتہ زبان سے نظر ملانے کے قابل ہوگئیں۔ پنڈتوں نے یہ دیکھا تو اور بھی سختی سے اپنی زبان کی حفاظت پر کمر بستہ ہو گئے لیکن اس سے سنسکرت کو فائدہ نہیں، نقصان پہنچا اور وہ صرف ایک طبقے تک محدود ہو کر رہ گئی۔

عوام کی زبان جو تھوڑے تھوڑے فرق اور الگ الگ رسم الخط کے ساتھ مختلف علاقوں میں رائج تھی پراکرت کہلاتی تھی۔ اس کی حیثیت مخلوط یعنی ملی جلی زبان کی تھی۔ اس کے اوّلین نمونے بدھ اور جین مت کے ماننے والوں کی مذہبی کتابوں میں اور اشوک کی لاٹوں پر ملتے ہیں۔ پراکرت برابر ترقی کر رہی اور مختلف علاقوں میں اس کے روپ بدلتے گئے۔ اس طرح اس نے متعدد پراکرتوں کی شکل اختیار کر لی۔ اس عہد کی پراکرتوں کی پانچ نمایاں شکلیں تھیں۔

۱۔ **مہاراشٹری:**۔ یہ اس لحاظ سے نہایت اہم تھی کہ اسے ادبی حیثیت حاصل تھی۔ اس زمانے کا بیشتر ادب اسی پراکرت میں ملتا ہے۔ یہ شورسینی پراکرت کی ترقی یافتہ شکل تھی۔

۲۔ **شورسینی:**۔ اس کا مرکز دوآبہ کا وسطی حصّہ یعنی متھرا تھا۔ اس پر سنسکرت کا گہرا اثر تھا۔ اس نے بہت پہلے یعنی حضرت عیسیٰ کی ولادت سے بھی کچھ قبل ایک باقاعدہ زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

۳۔ **ماگدھی:**۔ اس پراکرت کا چلن جنوبی بہار میں تھا۔ یہ علاقہ آریوں کے تہذیبی مرکز سے بہت دُور تھا۔ اسلیے اسے پست درجے کی زبان سمجھا جاتا تھا۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۴۔اردماگدھی :۔ یہ پراکرت اس علاقے میں بولی جاتی تھی جو شورسینی اور ماگدھی کے درمیانی حصّے میں واقع تھا۔ یہ وہی علاقہ ہے جسے آگے چل کر دِلّی والے پورب کے نام سے پُکارنے لگے۔ گوتم بدھ اور مہاویر جین نے اسی پراکرت کو اپنایا تھا۔ اور اس زمانے میں اس کا رواج شاہی خاندان تک محدود تھا۔ شاہی زبان ہونے کی وجہ سے یہ دوسری پراکرتوں پر بھی اثر انداز ہوئی۔ غرض یہی اس وقت کی معیاری زبان تھی۔

۵۔پشاچی :۔ یہ کشمیر اور پنجاب کے علاقے کی پراکرت تھی۔ کشنوں کے عہد میں یعنی پہلی صدی عیسوی میں شمال مغربی ہندوستان کی اس پراکرت کو فروغ ہوا۔ اس زمانے میں شاہی سرپرستی کی بدولت گندھارا کی بولی اور معیاری زبان کی حیثیت سے اس علاقے میں اس کا رواج ہو گیا۔

ان پراکرتوں کے ساتھ بھی وہی صورت پیش آئی جو آریوں کی قدیم زبان کے ساتھ پیش آئی تھی یعنی پراکرت بھی اکثر ادبی حیثیت اختیار کر لیتی تھی اور عوام سے اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ عام بول چال کی زبان بولنے لگتے تھے۔ اس میں مختلف بولیاں ملی ہوئی تھیں۔ اہلِ علم اس طرح کی عوامی زبان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اسے اپ بھرنش یعنی بگڑی ہوئی زبان کہنے لگے۔ لیکن اس کی مقبولیت میں کمی نہ آئی کیوں کہ عوام سے اس کا رشتہ مستحکم تھا۔ آخر کار تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس کی طرف متوجّہ ہوا اور اس کی ترقی کی رفتار تیز ہو گئی۔ ہندوستان کی دوسری بولیاں بھی اس سے متاثر ہونے لگیں۔ گجرات، راجپوتانہ اور روہ آبہ کی بولیوں پر اس کا خاص طور پر اثر ہوا۔ یہ بات آٹھویں صدی عیسوی کی ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُردو زبان کے خدوخال

دوآبہ شورسینی پراکرت کا علاقہ تھا۔ جلد ہی اس نے شورسینی اپ بھرنش کا روپ اختیار کرلیا اور کچھ عرصہ کے اندر پورے شمالی ہندوستان پر چھا گئی۔ چنانچہ دسویں صدی عیسوی میں جب مسلمان بڑی تعداد میں شمالی ہندوستان پہنچے تو یہاں اسی زبان کا دور دورہ تھا۔ اس زبان کو کھڑی بولی کہا جاتا ہے۔ اسے ہندوستانی کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ مسلمان اپنے ساتھ فارسی، عربی ترکی اور پشتو الفاظ لائے جو اس میں یعنی کھڑی بولی یا ہندوستانی میں داخل ہونے لگے جس کے نتیجے میں اُردو زبان وجود میں آئی یہی نظریہ مسعود حسین خاں نے پیش کیا ہے۔ اور اُردو زبان کے آغاز کے بارے میں جتنے نظریات ہیں ان میں یہی سب سے زیادہ قابلِ قبول ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اُردو کی صورت اس وقت نکھرنی شروع ہوئی جب مسلمانوں کے قافلے یکے بعد دیگرے افغانستان کے راستے سے پنجاب اور پنجاب سے دہلی پہنچتے تھے۔ اور مقامی باشندوں سے ان کے میل جول سے اس نئی زبان کی عمارت اٹھتی چلی جاتی تھی۔

اس نئی زبان کو پہلے ہندی، ہندوی اور پھر ریختہ وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا گیا پھر اسی نے اُردو نام پایا۔ اس زمانے کے فارسی اور ترکی شعراء نے بھی اس طرف توجّہ کی اور اس عوامی زبان میں شعر بھی کہے۔ خواجہ مسعود سعد سلمان جن کا انتقال ۱۱۲۵ء اور ۱۱۳۰ء کے درمیان ہوا، فارسی اور ترکی کے علاوہ دیسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا یہ دیوان آج موجود نہیں اس لیے یقین کے ساتھ تو کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن گمان یہ ہے کہ انھوں نے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

فارسی عربی الفاظ سے بھری ہوئی پنجابی زبان میں شعر کہے ہوں گے۔

اس کے بعد پرتھوی راج راسو میں اسوار (سوار)، سہنائی (شہنائی)، کمان (کمان) ارلی (عربی) وغیرہ الفاظ ملتے ہیں۔اس کے تقریباً سو سال بعد خسرو کا کلام وجود میں آتا ہے۔ان کے گیتوں پر تو برج بھاشا کا اثر نمایاں ہے۔لیکن ان کی پہیلیوں، مکرنیوں اور سخنوں میں کھڑی بولی کا استعمال ملتا ہے اور کہیں کھڑی بولی اور برج بھاشا کا امتزاج بھی نظر آتا ہے۔ان کا ایسا کلام بھی موجود ہے جس میں ایک مصرع فارسی میں ہے تو دوسرا مقامی بولی میں۔وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک یہاں کی بولیوں اور زبانوں نے کوئی واضح شکل اختیار نہیں کی تھی۔اب دیکھئے خسرو کے کلام سے کچھ مثالیں۔

گوری سودے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چودیس

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں! نہ کاہے لیہو لگائے چھتیاں

بعض اصحاب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ کلام خسرو کا نہیں بلکہ ان سے غلط منسوب کر دیا گیا ہے۔ان کا ہندوی کلام بلا شبہ وہی ہے جس کی مثالیں اوپر گزریں۔یہ بات البتہ تسلیم کی جا سکتی ہے کہ بعد کو چند لفظوں کا ردّ بدل ہو گیا ہو لیکن جو کلام ان سے منسوب ہے وہ یقیناً ہے انہی کا۔کیونکہ خسرو نے اپنے ایک فارسی شعر میں خود کو طوطئ ہند کہا ہے اور اپنے ہندی کلام پر فخر بھی کیا ہے۔

خسرو کا زمانہ خلجی اور تغلق خاندانوں کی حکومت کا زمانہ ہے۔اس عہد میں فارسی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

زبان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ ان فارسی کتابوں میں چودھری، منڈی، راج، گھڑیال جیسے لفظوں کا استعمال ملتا ہے۔ یہی حال گرونانک اور کبیر کے کلام کا ہے یعنی اس میں فارسی اور عربی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ گویا آپس میں لفظوں کا لین دین ہو رہا تھا۔ اور ایک کھچڑی زبان وجود میں آ رہی تھی۔ اس لیے جو کلام خسرو کے نام سے منسوب ہے اسے خسرو کا نہ سمجھنے کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں۔ پروفیسر احتشام حسین نے معاصر تاریخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس وقت مدرسوں میں جو فارسی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان کا مطلب ہندوستانی زبانوں میں سمجھایا جاتا تھا۔ اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اس نئی زبان کی ترقی میں ایک اور بات کو بہت دخل تھا کہ دِلّی کی فوجوں میں مختلف علاقوں کے لوگ ملازم تھے۔ ان میں ہندو بھی شامل تھے اور مسلمان بھی۔ یہ لوگ آپس میں بات چیت کیلیے صرف وہی زبان استعمال کر سکتے تھے۔ جو دِلّی اور اس کے قرب وجوار میں بولی جاتی تھی۔ یہ ثابت ہو چُکا ہے کہ اس علاقے میں کھڑی بولی کا چلن تھا۔ یہ بھی طے شدہ ہے کہ اس بولی پر ہریانی، پنجابی اور برج کے اثرات موجود تھے۔ اور یہ بھی کہ اس زبان میں دوسری زبانوں کے لفظ برابر شامل ہوتے جاتے تھے۔ یہ فوجیں بالعموم حرکت میں رہتی تھیں جس سے اس ملی جلی زبان کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔

پروفیسر احتشام حسین نے اس زبان کے فروغ کا ایک اہم سبب بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان بادشاہوں نے اپنی سلطنت میں مال گذاری کا پرانا بندوبست ہی جاری رکھا۔ اس کے مطابق مال گذاری وصول کرنے کی ذمہ داری گاؤں کے مکھیا اور مقامی کارکنوں پر

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

ہوتی تھی۔ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے سلسلے میں یہ لوگ مقامی زبان کا استعمال کرتے ہونگے۔ لیکن فارسی اصطلاحوں سے بھی کام لینا پڑتا ہوگا۔ اس نئی زبان کو اس سے بھی تقویت پہنچی ہوگی۔

لیکن اس زبان پر سب سے بڑا احسان بزرگانِ دین کا ہے جنھوں نے اپنا پیغام عوام وخواص کے دِلوں تک پہنچانے کیلیے اپنی وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں اس کا استعمال کیا۔ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ (م: ۱۲۶۵ء) کی آنکھ پر پٹی بندھی دیکھ کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (م: ۱۲۳۵ء) نے وجہ دریافت فرمائی تو انھوں نے جواب دیا ''آنکھ آئی ہے''۔ اس پر خواجہ نے فرمایا ''اگر آنکھ آئی ہے ایں چرا بستہ اید''۔ اسی طرح شیخ حمیدالدین ناگوری (م: ۱۲۷۴ء) سے ان کے والد نے فرمایا ''ہاں بابا کچھ کچھ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عوامی زبان مجلس وعظ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ان بزرگوں کی باہمی گفتگو بھی اسی زبان میں ہوتی تھی کیونکہ یہی اس زمانے میں بات چیت کی زبان تھی۔

خواجہ نظام الدین اولیا (م: ۱۳۲۵ء) کی تصانیف میں بھی مقامی الفاظ ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مقامی زبان میں دوہے بھی کہے۔ ان کے مرید حضرت خواجہ امیر خسرو نے تو اُردو زبان کی تشکیل میں نہایت اہم خدمت انجام دی جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے۔ اسی زمانے میں شیخ بوعلی قلندر پانی پتی (م: ۱۳۲۳ء) نے بھی قدیم اُردو میں دوہے کہے۔ ان کا یہ دوہا بہت مشہور ہے۔

سجن پکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نا ہوئے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ان کے بعد شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (م : ۱۳۸۰ء) کے دوہے، کج مندرے، فالنامے اُردو زبان کے ارتقاء میں ایک سنگ میل کی حیثیت رُکھتے ہیں۔ ان کا یہ فقرہ ''دیس بھلا پر دور'' اکثر مورخوں نے نقل کیا ہے۔ شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ (م: ۱۵۳۸ء) برج بھاشا کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ مورّخین نے لکھا ہے کہ ایک فارسی عبارت سمجھانے میں یہ مصرع کئی بار ان کی زبان سے ادا ہوا کہ ''پر بت بسے ہمارے میت''۔

ان صوفیائے کرام کے علاوہ اُردو زبان کی نشو ونما میں اور بھی بہت سے بزرگوں کا ہاتھ ہے جن میں نام دیو، کبیر اور گرونانک کے نام قابل ذکر ہیں۔

نام دیو (م: ۱۳۱۰ء) مرہٹی زبان کے شاعر تھے لیکن جگہ جگہ ان کی زبان قدیم اُردو کے بہت نزدیک آجاتی ہے مثلاً ؎

مائے نہ ہوتی، باپ نہ ہوتا، کرم نہ ہوتی کائیا
ہم نہیں ہوتے، تم نہیں ہوتے، کون کہاں تے آئیا

کبیر (م: ۱۵۱۸ء) بھگت تھے اور بنارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے دوہوں میں بھی اُردو زبان کا نقش اوّل نظر آتا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔

کبیر سر برسرائے ہے، کیا سودے سُکھ چین
سوانس نگارا باج کا باجت ہے دن رین

گرونانک (م: ۱۵۳۸ء) کا کلام پنجابی میں ہے لیکن اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پنجاب کی علاقائی زبان میں بھی عربی، فارسی الفاظ کا استعمال عام تھا اور

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کھڑی بولی کا اس پر بھی نمایاں اثر تھا۔ ان کی شاعری کا ایک نمونہ دیکھئے ؎

نانک دنیا کیسی ہوئی　　سالک مت نہ رہیو کوئی

بھائی بندھی ہیت چکایا　　دنیا کارن دین گنوایا

گویا یہ وہ زمانہ تھا جب سارے ملک میں ایک زبردست لسانی تبدیلی رونما ہو رہی تھی یعنی بہار و بنگال ہو یا مرہٹواڑہ، راجستھان ہو یا پنجاب ہر جگہ مقامی زبان میں عربی فارسی الفاظ تیزی سے داخل ہو رہے تھے اور زبان کی ساخت کھڑی بولی سے متاثر ہو رہی تھی ۔ دِلّی اور اس کے اضلاع اس کا اصلی مرکز تھا۔ فوجی دستوں کے ساتھ یہ زبان دکن پہنچی اور اس طرح یہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے یعنی (i) قدیم اُردو دکن میں اور (ii) قدیم اُردو شمالی ہند میں۔

دکن میں لسانی ارتقاء کی رفتار سست رہی کیوں کہ یہ علاقہ مرکز اور دارالسلطنت سے درو ہے۔ اسلیے بیرونِ ملک سے آنے والے قافلے بول چال کی زبان کو متاثر نہیں کر پاتے ۔ دوسری بات یہ کہ یہاں کی مقامی زبانیں ایک مختلف خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ لسانی نقطۂ نظر سے دکن کا علاقہ مہاراشٹر، قدیم ریاست حیدرآباد، ریاست میسور، اندور اور تامل ناڈو کے بعض اضلاع پر مشتمل تھا۔ ان علاقوں میں مراہٹی، تلنگی، کنّڑی اور تمل زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اس لیے قدیم اُردو اور مقامی زبانوں کے درمیان لین دین کا رشتہ قائم نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ دِلی کی یہ زبان دکن پہنچ کر زبانوں کے اجنبی ماحول میں ایک علحیدہ ڈگر پر پنپتی رہتی۔ دکن میں اس کا پہلا مرکز دولت آباد تھا جو مراہٹی علاقے میں ہے۔ بہمنی سلطنت کے قیام کے ساتھ دکن کا مرکز کنٹری علاقے میں گلبرگہ منتقل ہو جاتا ہے سلطنت

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بہمنیہ کے ٹکڑے ہو جانے پر دکن میں دو مرکز پیدا ہو جاتے ہیں۔ تلنگی کے علاقے میں گولکنڈا اور کنٹری کے علاقے میں بیجاپور۔ دکنی ادب انہی دو مرکزوں میں اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ اور دِلی کی ناپختہ زبان قلی قطب شاہ، وجہی اور نصرتی کے ہاتھوں ادبی حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔ دِلی میں پہلے دکنی کی شکل کا اندازہ قلی قطب شاہ کے ان شعروں سے لگایا جاسکتا ہے ؎

پیا باج پیالہ پیا جائے نا　　پیا باج یک تل جیا جائے نا
قطب شہ نہ دے مج دوانے کو پند　　دِوانے کو کچ پند دیا جائے نا

دکن کے برخلاف شمالی ہندستان میں یہ نئی زبان بہت تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کرتی نظر آتی ہے۔ یہاں فارسی بولتے ہوئے قافلے مسلسل چلے آتے ہیں۔ اور فارسی الفاظ تیزی کے ساتھ بول چال کی اس زبان میں جسے ہم قدیم اُردو کے نام سے یاد کرتے ہیں، داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ شمالی ہندوستان میں لسانی تبدیلی کی رفتار تیز رہتی ہے اور صاف ہو جاتی ہے مگر وہ ادبی زبان نہیں بن پاتی کیوں کہ سرکاری زبان کی حیثیت فارسی کو حاصل ہے۔ اس نئی زبان یعنی اُردو کو استعمال سب کرتے ہیں مگر سمجھتے ہیں اسے گری پڑی زبان، اسی لیے اسے ''ریختہ'' کا نام دیتے ہیں۔ چند شاعر اس زبان میں شعر بھی کہتے ہیں مگر سنجیدگی سے نہیں، صرف تفریح کے طور پر۔ جب کہ یہی زبان دکن میں بادشاہوں کی زبان ہے اور اسی میں شاعری وہاں کے شعراء کے لیے موجبِ افتخار ہے۔

بڑا دِلچسپ تضاد یہ کہ اس زبان کو شاہی سرپرستی دکن میں حاصل ہے۔ شمالی ہند میں اسے گری پڑی زبان سمجھا جاتا ہے مگر اس پر نکھار یہیں آتا ہے۔ شمالی ہند کا ایک شاعر

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

افضل (۱۲۱۲ء) گزرا ہے۔اس کے بارہ ماسہ کی زبان ملاحظہ ہو ؎

سکھی ری چیت رُت آئی سہائی اجھوں امید میری بر نہ آئی
رہے ہیں بھونرے پھولوں کے گلے لاگ مرے سینے جدائی کی لگی آگ
سکھی دن رین مجھ ناگن ڈست ہے پھروں دوری تمامی جگت ہنست ہے

یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ولی کا سفر دہلی ان کی شاعری میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔اس سفر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی زبان صاف ہوتی اور نکھرتی چلی جاتی ہے۔قدیم دکنی الفاظ کم ہوتے جاتے ہیں، فارسی الفاظ کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ ہندوستان میں ایک ایسی زبان کی بُنیاد پڑ چکی تھی جسے ملک کے بڑے حصے میں سمجھا جا سکے اور جسے ''لنگوافرینکا'' کہنا درست ہو کہ اچانک ملک کے سیاسی نقشے میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔۱۵۲۶ء میں بابر نے ابراہیم لودھی اور رانا سانگا کو شکست دے کر ہندوستان میں ایک مستحکم حکومت قائم کر دی جس کی حدود پھیلتی چلی گئیں اور اس عوامی زبان کو دور تک پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

اس زبان کی ہمہ گیری کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بابر جسے کُل چھ برس یہاں حکومت کرنے کا موقع ملا اور یہ تمام مدّت بھی حکومت کو مستحکم اور وسیع کرنے کی کوشش میں گزر گئی، وہ بھی اس زبان کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھا۔اس نے اس زبان پر ایسا عبور حاصل کر لیا تھا کہ ''مج کا نہ ہوا کج ہوس مانک وموتی'' جیسا صاف مصر کہنے پر قادر تھا۔

اکبر اعظم کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے اس ''زبان کو اتنی اہمیت حاصل ہو گئی تھی کہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

آئین اکبری میں ابوالفضل نے اسے ''زبان ہندی'' کے ساتھ ''زبان وقت'' اور ''زبان روزگار'' کے نام سے یاد کرتا ہے۔

خود اکبر اپنی ہندوستانی رانیوں سے اسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اس نے بہت سی چیزوں کے ہندوستانی نام تجویز کیے۔ جہانگیر کے زمانے میں کے زمانے میں افضل پانی پتی (م: ۱۲۶۵ء) نے بکٹ کہانی کے نام سے ایک بارہ ماسہ لکھا جس کا آج اُردو کلاسیک میں شمار ہوتا ہے۔ شاہجہاں کے دور میں سرکاری ملازمین کیلیے اس زبان کا جاننا لازمی قرار دیا گیا۔ اسی عہد میں چندر بھان برہمن (۱۵۷۴۔۱۶۶۲ء) نے ایسے صاف شعر کہے ۔

خدا نے کس شہر اندر ہمن کو لائے ڈالا ہے
نہ دِلبر ہے، نہ ساقی ہے، نہ شیشہ ہے، نہ پیالہ ہے

اورنگ زیب کے عہد (۱۶۵۷ء - ۱۷۰۷ء) میں اکثر مکتبوں اور مدرسوں کا ذریعہء تعلیم اُردو زبان نظر آتی ہے۔ اسی زمانے ۱۷۰۰ء میں ولی اور پھر ۱۷۱۹ء میں ان کا دیوان دِلی پہنچا۔ یہاں کی زبان کو دِلی اپنی زبان سے صاف پاتے ہیں۔ اور اسی کا اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ ولی کے سفر دِلی ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کی زبان نکھرتی چلی جاتی ہے اورنگ زیب کی فتح دکن سے شمالی و جنوب کے درمیان حائل دیوار گر جاتی ہے اور زبان میں یکسانیت و ہمواری پیدا ہونے لگتی ہے۔ اُردو زبان کی ترقی کیلیے راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ اور فارسی اس کے راستے سے ہٹ جاتی ہے۔

اُردو زبان وادب کا دورِ عروج

اُردو زبان وادب کی ترقی کا باقاعدہ آغاز اسی دن ہو گیا تھا جس دن شعرائے دہلی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کلامِ دِلی سے پہلی بار روشناس ہوئے تھے۔ اور اُنہیں احساس ہوا تھا کہ یہ کج مج زبان بھی اس قابل ہے کہ اس میں شاعری کی جائے۔ چنانچہ شاہ حاتم، شاہ مبارک آبرو اور مرزا مظہر جانِ جاناں جیسے بلند پایہ شعراء اس طرف متوجّہ ہوئے۔ اس کے بعد شاعری کے سنہرے دور کا آغاز ہوا۔ اس دور میں میر، سودا اور درد نے اُردو شاعری کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد دہلی اُجڑ گئی اور شاعری کی ایک محفل لکھنؤ میں آراستہ ہوئی مگر لکھنؤ کی شاعری کا انداز دہلی کی شاعری سے مختلف تھا۔ یہاں تن آسانی اور دِل بستگی کے سارے سامان مہیّا تھے۔ اس لیے یہاں کی شاعری میں ہلکا پن ہونا بالکل فطری بات تھی۔ آہستہ آہستہ دہلی کی اُجڑی محفل پھر سے بسی۔ اب یہ غالب، مومن اور ذوق کی دہلی تھی۔ ان شاعروں کے دم سے شاعری کو خوب فروغ ہوا۔ ادھر نثر میں بھی بلند پایہ داستانیں وجود میں آئی۔

اُردو زبان وادب تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھی کہ تاریخ کا ورق پلٹ گیا۔ ملک میں آگ سی لگ گئی۔ سجی سجائی محفلیں چشم زدن میں اُجڑ گئیں۔ کچھ ہی دنوں میں دنیا نے سن لیا کہ ہندوستان سے مغل سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور کمپنی بہادر کا سکّہ چلنے لگا۔ ادب کے طالب علم کے لیے اس خوں چکاں باب سے واقف ہونا بھی بہر حال ضروری ہے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کا ہمارے ملک، ہماری زبان اور ہمارے ادب پر گہرا اثر پڑا۔ اس لیے ادب کی یہ تاریخ ۱۸۵۷ء کے اہم واقعات کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ ہوا یہ کہ مئی ۱۸۵۷ء میں ہندوستانی فوج نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ بغاوت کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

آگ تو پہلے سے سلگ رہی تھی مگر اس کا فوری سبب یہ ہوا کہ سپاہیوں کو ایسے کارتوس استعمال کرنے کو دئے گئے جنھیں دانت سے کھولنا تھا۔ ان کے کناروں پر چربی لگی ہوئی تھی۔ مشہور یہ ہو گیا کہ یہ چربی گائے اور سور کی ہے اور اس کا مقصد ہندو اور مسلمان دونوں کا مذہب خراب کرنا ہے۔ انھوں نے یہ کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اس حکم عدولی کو بغاوت سمجھ کر سزا دی گئی۔ اس سے آگ سی لگ گئی۔ یہ بغاوت میرٹھ سے شروع ہوئی اور ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ مگر اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ کیوں کہ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کی شام تک دہلی پر دوبارہ انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ بہادر شاہ آخری مغل تاجدار تھے۔ ویسے تاجدار تو وہ برائے نام تھے۔ ان کی حکومت ہندوستان تو کیا پوری دہلی پر بھی نہیں تھی۔ ان کا راج تو بس لال قعلے کے اندر تک محدود تھا۔ اور اس میں بھی انگریز ریزیڈنٹ مداخلت کرتا رہتا تھا۔ اس بدنصیب بادشاہ پر طرح طرح کے ظلم کئے گئے۔ آخر کار اسے جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ غریب الوطنی کی زندگی گذار کر یہیں اس نے دم توڑا اور یہیں کی خاک میں دفن ہوا۔ اسی کا کہا سچ ثابت ہوا۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

بغاوت فرو کرنے کے بعد انگریزوں نے ہندوستانیوں پر بے پناہ ظلم کئے۔ مسلمان چوں کہ بغاوت میں پیش پیش تھے اس لیے ان سے بطور خاص انتقام لیا گیا۔ ہزارہا بے گناہ پھانسی کے تختے پر چڑھا دئے گئے۔ بے شمار لوگوں کی جاگیریں اور جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ بہتوں کو سرکاری ملازمتوں سے محروم کیا گیا۔ اس بغاوت کی پاداش میں مسلمانوں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پر جو زیادتیاں کی گئیں ان کا ذکر مولانا فضل الحق اور منیر شکوہ آبادی کی تحریروں میں ملتا ہے۔ غالب کے خطوط سے بھی اس کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی بربادی کی سب سے زیادہ اور چشم دید تفصیل سرسید نے لکھی ہے۔ اپنی کتاب ''اسباب بغاوت ہند'' میں انھوں نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اس بغاوت کی اصل ذمہ داری انگریز افسروں پر تھی۔

جدید اُردو ادب کا آغاز

مسلمانوں کی بربادی نے جس شخص کو سب سے زیادہ بیقرار کیا اس کا نام ہے سرسید احمد خاں۔ انھوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا وقار پھر سے حاصل ہو جائے۔ اس بربادی کے اسباب پر غور کیا تو انھیں اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے کو گہن لگ چکا ہے۔ اور وہ اصلاح طلب ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایک اصلاحی مہم کا آغاز کر دیا۔ اپنے اصلاحی پروگرام میں انھوں نے شعر و ادب کو بھی شامل کیا۔ وہ با مقصد ادب کے قائل تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ شعر و ادب سے زندگی کو سنوارنے اور بہتر بنانے کا کام لیا جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی شاعر ایسی نظم لکھے جو قوم کو خواب سے بیدار کر سکے۔ آخر کار خواجہ الطاف حسین حالی نے ایک مسدس لکھ کر یہ خدمت انجام دی۔ سرسید اس نظم کو اپنے لیے توشۂ آخرت سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حالی سے یہ نظم لکھوانے کے انعام میں اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرما دے گا۔

نثر نگار وہ خود تھے۔ انھوں نے اپنے مضامین کے ذریعے سوتوں کو جھنجھوڑا اور قوم کے مردہ جسموں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ انھوں نے سائنٹی فک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد مفید کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کر کے انھوں نے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اپنے اصلاحی مشن کو تقویت پہنچائی۔ انھوں نے اُردو نثر میں ایسی جان ڈال دی کہ اُردو زبان میں ہر موضوع پر علمی مضامین لکھے جانے لگے۔ اس لیے انھیں جدید نثر کا بانی کہا جاتا ہے۔

سرسید کو دوست اور رفیق بھی ایسے میسّر آئے جنھوں نے سرسید تحریک میں دِل و جان سے مدد کی۔ ان میں سے کچھ سرسید کے ایسے رفیق تھے جو ہر دم ان کے ساتھ تھے مگر سر سید کے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ان میں مولانا حالؔی، علامہ شبلؔی، مولوی نزیر احمد، مولوی محمد حسین آزاؔد، مولوی ذکاء اللہ، محسن الملک، وقار الملک اور مولوی چراغ علی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مختصر یہ کہ سرسید اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے اُردو ادب میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا جسے جدید ادب کہا جا سکتا ہے اور اُردو شعر و ادب کا کارواں نئی منزلوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

جمّوں و کشمیر میں اُردو کا آغاز و ارتقا

تاریخ شاہد ہے کہ جمّوں و کشمیر زمانہ قدیم سے ہی علمی و ادبی مرکز رہا ہے۔ ہندوؤں کے دورِ حکومت میں یہاں سنسکرت علم و ادب کو بہت بڑا فروغ ملا۔ مسلمانوں کے کشمیر میں آنے، حکومت قایم کرنے اور علمداری کے نتیجے میں فارسی زبان کو درباری زبان کا درجہ ملا۔ اور گھر گھر فارسی زبان و ادب کا چرچا ہو گیا۔ پندرہویں صدی عیسوی کے بعد جب بڈشاہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور یہاں کے نظام کا شیرازہ بکھر گیا تو بہت سے لوگ یہاں سے جا کر پنجاب، دہلی، آگرہ اور اودھ وغیرہ مقامات پر جا بسے۔ جہاں اُردو کا چلن تھا۔ ان کے یہاں لوگوں میں سے اہلِ دل نے اُردو زبان کو گلے لگایا۔ ریاست میں کشمیر

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by KS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

میں کشمیری، جموں میں ڈوگری اور لداخ میں لداخی زبانیں رائج تھیں۔

جموں وکشمیر میں تاریخی لحاظ سے مغلوں کے زمانے سے اُردو کے چلن کے شواہد ملتے ہیں۔ اُس کے بعد ریاست میں ڈوگرا راجاؤں کے دورِ حکومت میں اُردو زبان کو ترقی کرنے کے مواقع ملے۔ اُس زمانے میں ریاست میں بھی شاعروں اور ادیبوں نے اُردو کی طرف توجّہ کی۔ ریاست سے باہر سے آنے والے ملازمین اور سیر وسیاحت کی غرض عام لوگوں کے آنے کی وجہ سے بھی یہاں اُردو کو فروغ ملا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اُردو زبان کی ترقی کے لیے اچھی خاصی دلچسپی لی۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اُردو کو مرکزی حیثیت دی۔ اور 1872ء میں جموں میں ''بدیا بلاس سبھا'' کا قیام عمل میں لایا اور بدیا بلاس پریس بھی قائم کی گئی۔ جس کے اہتمام سے بدیا بلاس کے نام سے ایک مشترکہ اُردو ہندی اخبار شائع ہوا۔ اس کے علاوہ دیگر زبانوں کی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا گیا۔ 1873ء میں ہرگوپال کول خستہ مرتب کی کردہ جموں کشمیر کی پہلی اُردو تاریخ ''گلدستۂ کشمیر'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ہرگوپال کول خستہ کے بھائی سالک رام کول سالک نے اپنا اخبار ''خیر خواہ کشمیر'' کے نام سے جاری کیا۔

اُردو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے 1889ء میں اُردو کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دیا۔ جس کی وجہ سے دفتروں، عدالتوں اور تعلیمی اداروں میں اُردو زبان رائج ہوگئی۔ صوبہ جموں میں اُردو انسپکٹرز کا تقرر عمل میں آیا۔ اس کے علاوہ بعض کشمیری دانشوروں نے لاہور سے مختلف ناموں سے اخبارات بھی جاری کیے۔

کشمیر کی اُردو شاعری میں بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ کشمیر نے شعروادب

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کو بلند پایہ شاعر اور ادیب دیئے۔ جنھوں نے اُردو کو جامعیت اور وُسعت دی۔ جن میں رتن ناتھ سرشار، دیا شنکر، برج نارائن، چکبست، تربھوناتھ محت، چراغ حسن حسرت، دتا تریہ کیفی، آغا حشر کاشمیری، ڈاکٹر محمد اقبال، ٹھاکر پونچھی، کرشن چندر وغیرہ وہ روشن ستارے ہیں جنھوں نے کشمیر کے اُفق سے طلوع ہوکر پورے برصغیر کو منوّر کیا۔ ان کے علاوہ وہ شاعر اور ادیب بھی ہیں جو ریاست کے اندر ہی لکھتے رہے۔ اُن میں ہرگوپال کول خستہ، راجہ شیر علی خان، کانشی ناتھ خوشتر، مرزا مبارک بیگ، تارا چند، مرزا سعد الدین سعد، ڈاکٹر عمادالدین سوز، منشی سراج الدین، صادق علی خان، حبیب کیفوی، خوشی محمد ناظر، قیس شیرانی، قمر رازی، اللہ رکھا ساغر، غلام حیدر، وشوناتھ درما۔ حمید نظامی اور سالک رام سالک وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز ہی سے ریاست میں اُردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے ماحول نہایت سازگار ہوگیا۔ ریاست کے بہت سے شاعروں اور ادیبوں نے اُردو ہی کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا۔ سری نگر میں انجمن ''حلقہ مفرح القلوب'' خوشی محمد ناظر نے قائم کی۔ جموں میں ''بزمِ سخن'' کا قیام عمل میں لا گیا۔ سری نگر میں منشی سراج الدّین خاں نے مشاعرے منعقد کرا کے شاعروں کو اُردو میں لکھنے کی ترغیب دی۔ 1924ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے اُردو کو تعلیمی اداروں میں ذریعہ تعلیم قرار دے کر ایک اہم قدم اُٹھایا۔ 1924ء ہی میں لالہ ملک راج صراف نے جموں سے ''رنبیر'' کے نام سے خالص اُردو کا پہلا اخبار جاری کیا۔ اُسی دور میں محمد دین فوق ادبی اُفق پر نمودار ہوئے۔ وہ نثر نگار، صحافی، مورّخ اور شاعر تھے۔ اُنھوں نے ''پنجہ فولاد'' اور ''کشمیر میگزین'' کے نام سے اخبار جاری کیے۔ نیم

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تاریخی قصّے ، تذکرے اور اضافے لکھے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے ادب کی تاریخ میں بہت جلد غیر معمولی شہرت حاصل کر لی۔ وہ افسانہ نگار، مزاح نگار اور شاعر بھی تھے۔ اُن کے علاوہ تیرتھ کاشمیری، پریم ناتھ پردیسی، دینا ناتھ مٹو، وشوناتھ درما، تاراچند ترسل، گنگا دھر، پریم ناتھ درد وغیرہ نے افسانے لکھ کر اُردو ادب کو فروغ دیا۔ محمد عمر نور الٰہی نے اُردو میں ڈرامہ نگاری کی پہلی کتاب ''ناٹک ساگر'' شائع کر کے اُردو میں ڈرامہ نگاری کی بنیاد رکھی۔

تحقیق وتنقید میں عبدالاحد آزاد نے کشمیری زبان وادب کی تاریخ اُردو میں لکھ کر اہم کام انجام دیا۔ اُن کے بعد محمود ہاشمی، دینا ناتھ دِلگیر، گلزار احمد فدا، نند لال بے غرض، محبوبہ یاسمین، غلام حیدر چشتی، کیفی اسرائیلی اور اسیر کاشمیری نے افسانہ نگاری کو فروغ دیا۔ اس کے علاوہ ان حضرات نے زیادہ تر موضوعاتی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ 1947ء سے پہلے کے شعراء میں کشن لال حبیب، کشن سمیل پوری، ہدایت اللہ فوق، رسا جاودانی، نرسنگھ داس نرگس، مے کش کاشمیری، غلام رسول تنہا، عشرت کاشمیری، دینا ناتھ مست، نند لال کول طالب، تنہا انصاری، شہ روز کاشمیری، منوہر لال دِل، بُلبل کاشمیری، میر غلام رسول نازکی، مرزا کمال الدین شیدا، دینا ناتھ رفیق کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

آزادی کے بعد ریاست میں عوامی حکومت قائم ہوئی۔ اور نیا کشمیر کا آئین مرتب ہوا۔ جس میں اُردو کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ سری نگر اور جمّوں میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ جن میں دیگر مضامین کے ساتھ اُردو کے بھی پوسٹ گریجویٹ شعبے قائم کئے گئے۔ ان میں اُردو کی اعلا تعلیم اور تحقیق کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے علاوہ تمام سرکاری دفتروں، عدالتوں اور تعلیمی اداروں میں اُردو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے لاگو کی گئی۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab, Jammu

ریاستی سرکار نے مختلف زبانوں اور تہذیب وتمدن کے فروغ کے لیے اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لنگویجیز کا قیام عمل میں لایا۔ اکاڈمی کے زیرِ اہتمام اُردو کی کُتب شائع کی جاتی ہیں اُردو کتابوں پر انعامات دیے جاتے ہیں۔ مالی امداد کے لیے مصنّفین کو مالی امداد دی جاتی ہے۔ محکمہ اطلاعات، ریڈیو ٹیلی ویژن کی وجہ سے بھی اُردو زبان کو بھی فروغ مل رہا ہے۔ اخبارات اور رسائل شائع کیے جارہے ہیں ریاست میں مختلف انجمنیں اُردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے کام کررہی ہیں۔

اُردو زبان وادب اور شعروشاعری کو فروغ دینے والے نئے شعراء میں پروفیسر حامد کاشمیری، رفیق راز، اشراف ساحل شہباز راجوروی۔ رفیق، رخسانہ جبین، اقبال فہیم، منیب الرحمان، حکیم منظور، فاروق مضطر، خالد بشیر، مسعود سامون، جاوید آزاد، احمد شناس، پرتپال سنگھ بیتاب، شجاع سلطان، محمد یٰسین، مظفر ایرج، فاروق آفاق، قصیر قلندر، شوریدہ کشمیری، عرش صہبائی، نشاط کشتواڑی، عابد مناوری، سیفی سوپوری، قاضی غلام محمد، ودیارتن عاصی، اندر جیت لطف، ڈاکٹر صابر مرزا راجوروی، عشرت کشتواڑی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان شعراء میں اکثر ابھی حیات ہیں۔

ریاست میں 1950ء کے بعد نئے افسانہ نگار منظر عام پر آئے۔ جن میں پشکر ناتھ، برج پریمی، ریاض پنجابی، نُور شاہ، موہن یاور، غلام رسول سنتوش، ساگر کاشمیری، رمیش کول، رام کمار ابرول، شبنم قیوم، حامد کاشمیری وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ گزشتہ سالوں میں آنند لہر، شمس الدین شمیم، انیس ہمدانی، کلدیپ رعنا، عمر مجید، ویریندر پٹواری، کشوری منچندہ، بشیر شاہ، غلام نبی غمگین اور امین بنجارہ نے افسانوی روایت کو فروغ دیا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اِن میں سے کئی ادیبوں نے ناول بھی لکھے ہیں۔

تحقیق وتنقید کے شعبے میں گزشتہ چار دہائیوں میں گرانقدر کام ہوا ہے۔ ان قلم کاروں میں پروفیسر حامد کشمیری، پروفیسر محمد زمان آزردہ، ڈاکٹر ظہور الدین، میر غلام رسول نازکی، اکبر حیدری، پروفیسر رحمان راہی، مرغوب بانہالی، غلام رسول ملک، یوسف ٹینگ، برج پریمی، شمیم احمد شمیم، عابد پیشاوری، موتی لال ساقی، شمس الدین احمد، رشید نازکی، نشاط انصاری، پریمی رومانی، مجید مضمیر، ڈاکٹر نذیر احمد ملک وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اس طرح ریاست میں اُردو زبان وادب نے ارتقائی منازل طے کیں۔ آج ملک میں جمّوں وکشمیر واحد ریاست ہے جس کی سرکاری زبان اُردو ہے۔

جمّوں وکشمیر میں اُردو کی موجودہ صورت حال

جمّوں وکشمیر میں اُردو کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ملک میں یہ واحد ریاست ہے۔ جس کی سرکاری زبان اُردو ہے۔ کشمیر زمانہء قدیم سے ادبی مرکز رہا۔ زمانہ قدیم میں یہاں سنسکرت زبان رائج تھی۔ لیکن چودھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے کشمیر آنے اور حکمران بننے کے بعد فارسی کو درباری زبان کا درجہ ملا۔ جو لگ بھگ چھ سو سال برسرِ اقتدار رہی۔ جمّوں وکشمیر میں مغلوں کے دورِ حکومت سے اُردو کے چلن کے شواہد ملتے ہیں۔ اُس کے بعد ڈوگرہ حکمرانوں کے دورِ حکومت میں اُردو کو ترقی کرنے کے مواقع ملے۔ 1889ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ریاست میں اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ مہاراجہ ہر سنگھ نے تعلیمی اداروں میں اُردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا۔ مختلف شاعروں اور ادیبوں نے ریاست میں اُردو زبان وادب کو فروغ دیا۔ مختلف اصنافِ ادب

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

میں تخلیقات منظر عام پر آئیں۔ اخبارات اور رسائل جاری کئے گئے۔

1947ء کے بعد ریاست میں عوامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ اور ''نیا کشمیر'' کا آئین مرتب ہوا تو اُس میں اُردو کو سرکاری زبان کر طور پر تسلیم کر لیا۔ اس کے علاوہ تحقیق کے انتظامات بھی کئے گئے۔ اُردو میں ڈاکٹریٹ کروانے کا اہتمام کیا گیا۔ ابتدائی تعلیمی اداروں میں اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا گیا۔ ہائر سیکنڈری اسکولوں اور کالجوں میں اُردو بحیثیت مضمون پڑھائی جانے لگی اور آج تک بھی سلسلہ جاری ہے۔

ریاستی سرکار نے ریاست کے اندر بولی جانے والی زبانوں اور تمدن کو فروغ دینے کے لیے اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لنگویجز قائم کی۔ اکیڈمی کے زیرِ اہتمام اُردو کی کتابیں شائع کی جاتی ہیں۔ مختلف مصنفوں کو کتابوں کی اشاعت کے لیے مالی امداد دی جاتی ہے۔ اکیڈمی ''شیرازہ'' کے نام سے ایک جریدہ بھی شائع کرتی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اُردو پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ جس سے اُردو زبان و ادب کو تقویت ملتی ہے۔ دفتروں، عدالتوں اور تعلیمی اداروں میں اُردو رائج ہے۔ محکمہ اطلاعات بھی اُردو کی ترقی میں نمایاں حصہ ادا کر رہا ہے۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بھی اُردو میں کام ہو رہا ہے۔

جموں اور سری نگر سے اُردو میں بہت سے اخبارات اور رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ جن کے زریعہ اُردو زبان و ادب کو فروغ مل رہا ہے۔ ان اخبارات اور رسائل میں مختلف اصنافِ سخن اور اصنافِ ادب کی آبیاری ہو رہی ہے۔ ریاست میں اُردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے یہاں شعرا اور اُدبا خلوصِ دِل سے سرگرم عمل ہیں۔ ہر سال نئی نئی تخلیقات منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔ نئی پود کے بہت سے شاعر اور ادیب نئی تخلیقات سامنے لانے میں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کوشاں ہیں۔ ریاست میں کئی ادبی انجمنیں قائم ہیں۔ جن کے زیرِ اہتمام مشاعرے منعقد ہو رہے ہیں۔ تعلیمی اور تمدنی پروگرام کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس طرح اُردو کے شعرا اور اُدبا کی حوصلہ افزائی بھی ہو رہی ہے اور اُردو زبان کے چاہنے والوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کے علاوہ غیر سرکاری سطح پر بھی اُردو زبان وادب کی توسیع و ترقی کے لیے مختلف اقدام اُٹھائے جا رہے ہیں۔ سرکار کی طرف سے اچھے ادیبوں اور شاعروں کو نقد انعامات دیے جاتے ہیں۔ جس سے اُن کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ جموں و کشمیر ملک کی واحد ریاست ہے جہاں اُردو کے ادیبوں اور شاعروں کو اتنی مراعات حاصل ہیں۔ اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز کی طرف سے کُتب کی اشاعت، مالی امداد اور انعامات کے علاوہ سال میں دو بار مختلف مقامات پر مشاعروں اور ادبی مجالس کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔

ایک طرف تو اُردو زبان وادب کی ترقی کی مندرجہ بالا نشان دہی ہے۔ دوسری طرف کشمیر میں پرائمری اور یونی ورسٹی سطح پر کشمیری زبان شروع کر دی گئی ہے۔ جموں میں ڈوگری رائج ہو چکی ہے۔۔ لداخ میں لداخی رائج ہے۔ گوجری اور پہاڑی کو بھی پرائمری سطح پر نصاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ عوام کی کثیر تعداد کا رُجحان کشمیری، ڈوگری، لداخی اور پہاڑی کی طرف ہے۔۔ اُردو کے مقابلے میں دیگر زبانوں میں نئی تخلیقات کی زیادہ تعداد منظرِ عام پر آ رہی ہے۔ اس سے اُردو کی حیثیت قدرے کمزور ہو رہی ہے۔ لیکن پریشان و مایوس ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود ریاست جموں و کشمیر میں اُردو کی صورت حال بہتر ہے اور اس کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ ریاست میں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُردو ہمیشہ زندہ پائندہ رہے گی۔ اور اپنے دِلدادگان سے دادِ تحسین حاصل کرتی رہے گی۔ ا
اس کا مستقبل روشن ہے۔

ریاست جموں وکشمیر میں اُردو کی ڈگمگاتی ہوئی صورتحال

ریاست جموں وکشمیر کے تینوں خطوں (جموں، کشمیر اور لداخ) کی یہ مشترکہ زبان
ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس نے ریاست کے ان تینوں خطوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے او
اس طرح یہ پوری ریاست کے لوگوں کے لیے ایک رابطے کی زبان ثابت ہوئی ہے۔ لیکن
موجودہ دور میں اُردو زبان پر ریاست جموں وکشمیر میں غموں کے بادل منڈلا رہے
ہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس کے ہشاش بشاش چہرے اور مسکراتے لبوں پر اس مایوسی کا
کوئی بھی اثر نہیں ہو رہا ہے کیوں کہ ایک بااعتماد شخص کو اپنی قابلیت کا اندازہ اگر ہو تو دُنیا کی
طاقت اُسے کبھی بھی مایوس نہیں کر سکتی ہے۔ بقولِ اُردو زبان ''حکومت صرف قانون بنا سکتی
ہے عوام کے فطری رجحان کو مٹا نہیں سکتی'' بحوالہ برج بانو از کنہیالال کپور۔

ریاست جموں وکشمیر میں اگرچہ اُردو زبان کی موجودہ صورتحال ڈگمگا رہی ہے لیکن
اس کے استحکام اور پائیداری میں جُنبش تک بھی نہیں آرہی ہے۔ کیوں کہ یہ زبان عوام
الناس کے ساتھ اپنا رشتہ اس طرح سے جوڑے ہوئے ہے کہ باوجود کوشش کے بھی یہ عوام
سے علیحدہ نہیں کی جا سکتی اس زبان کے آثار اگرچہ مٹنے کے نہیں لیکن تشویش ناک ضرور
ہیں۔

ہماری یہ سلح ہے کہ کسی بھی زبان کو زندہ رہنے کے لیے آج کے اس سائنسی اور
تکنیکی دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ وابستہ ہونا لازمی ہے۔ اور کسی بھی زبان کی بقا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کا راز اس میں پوشیدہ ہے۔ قدرے ہماری زبان ان چیزوں سے ہماری ریاست میں محروم ہے۔ کیونکہ زبان کی بقا تو اسی میں ہے کہ وہ موجودہ حالات اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اپنا چولا بھی بدلتی رہے۔ یاد رہے کہ جو زبان معیشت اور موجودہ ضروریات کے ساتھ ساتھ ملی جلی نہیں، یکساں نہیں اور نئے تقاضوں کو اپنے اندر سمیٹ نہ سکی تو اس زبان کی بقا کے آثار بھی کم ہو سکتے ہیں۔ حکومت ریاست کے لیے لازمی ہے کہ اُردو زبان کی بقا اور اس کی ترقی و ترویج کے لیے موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرے۔ اس میں شک نہیں کہ ریاست کے بہت سارے دفاتر میں اُردو کی جگہ انگریزی نے لی ہے۔ لیکن یہ بھی بدلتے ہوئے حالات اور وقت کا تقاضا ہے جسکے لیے حکومت ذمہ دار ہے۔

اُردو زبان کی وجہ تسمیہ

(Nomenclature)

مغلوں کے زمانے سے ہندوستان میں ''اُردو'' لفظ لشکر اور لشکر گاہ کے معنوں میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ بابر، اکبر اور جہانگیر کے فرمانوں اور سکّوں میں ''اُردو'' لفظ لشکر کے معنوں میں درج ہے۔ بابر اپنے لشکر کو ''اُردوئے نُصرت شعار'' کہتا تھا۔

جہانگیر نے کشمیر کے سفر کے دوران جو سکّہ بنوایا تھا۔ اُس پر سکّہ ''اُردوئے جہانگیر شاہ'' کُندہ تھا۔ شاہانِ مغلیہ کے زمانے میں شاہی لشکر اور لشکر گاہ کو اُردوئے معلیٰ'' کہتے تھے اور لشکر کے بازار کو ''بازارِ اُردو'' یا اُردو بازار'' کہہ کر پکارتے تھے۔ دراصل

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

جہانگیر بادشاہ کے زمانے تک اس زبان کے لیے اُردو کے لفظ کا رواج ثابت نہیں ہوتا۔

غالباً شاہجہاں کے زمانے یعنی سترھویں صدی عیسوی سے اس زبان کے لیے" اُردو" کا لفظ استعمال ہونا شروع ہوا۔لیکن شاہجہان اور اورنگ زیب کے زمانے تک اس کا استعمال بہت محدود تھا۔ جب شاہجہاں نے دہلی کا لال قلعہ بنوایا تو دہلی کا نام شاہجہان آباد رکھا گیا۔قلعہ کو" قلعہ معلٰی" اور شاہی لشکر کو" اُردوئے معلٰی" کہنے لگے جب اُردو زبان قلعہ معلٰی میں داخل ہوئی" اُردوئے معلٰی" کا خطاب پایا۔

دراصل اُردو تُرکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی" لشکر گاہ" کے ہیں۔اس کے علاوہ شاہی فوج کے بازار کو بھی اُردو کہا جاتا تھا۔ جہاں جہاں فوج رہتی تھی، وہیں خرید و فروخت کرنے والے اپنی زبان کے ساتھ دوسروں کی زبانوں کے الفاظ ملا کر بولتے تھے۔ مغلیہ دور میں شاہی فوج کے بازار کو" اُردوئے معلٰی" کہا جاتا تھا۔ بعد میں لفظ معلٰی حذف کر دیا گیا۔اور اس نئی زبان کے لیے تحریر و تقریر میں لفظ" اُردو" عام ہو گیا۔اور یہی اس کا نام طے پایا۔

اُردو کے مختلف نام

1۔حضرت امیر خسرو دہلوی نے اپنے کلام کو" کلامِ ہندوی" لکھا ہے۔

2۔بعض قدیم تحریروں میں اُردو زبان کو" زبانِ ہندی" کہا گیا ہے۔

3۔دہلی اور نواحِ دہلی کی زبان کو" زبانِ ہندی" ہی کہا گیا ہے۔

4۔مرزا غالب دہلوی تک اُردو زبان کے لیے" ریختہ" لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

5۔ قدیم انگریز مورخین جنھوں نے ہندوستان کے حالات لکھے ہیں اُردو کے

CC-0. Agamdigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

لیے لفظ ''اندوستان'' کا استعمال کیا ہے۔

6۔ بعض انگریز مورخوں نے اُردو کے لیے لفظ ''مورز'' استعمال کیا ہے۔

7۔ مسٹر پول نے 1616ء میں ڈاکٹر جان نے 1787ء میں اُردو کے لیے لفظ ''ہندوستانی'' استعمال کیا ہے۔

8۔ اٹھارہویں صدی کے ابتدائی لاطین مصنفین نے اُردو کے لیے لفظ ''لنگواندوستان'' استعمال کیا ہے۔

9۔ صوفیائے کرام اور علمائے کرام نے اُردو کے لیے لفظ ''ہندی'' کا استعمال کیا ہے۔

10۔ بعض شعرا نے بھی اُردو کے لیے لفظ ''ریختہ'' یا ''ریختی'' کا استعمال کیا ہے۔

11۔ شاہجہاں نے اُردو زبان کو ''اُردوئے معلیٰ'' کا معزز خطاب دیا ہے۔

12۔ اُنیسوی صدی عیسوی کی ابتداء میں اس نئی زبان کے لیے صرف ''اُردو'' ہی استعمال ہونے لگا۔ اور یہی اس کا نام قرار پایا۔

اُردو کے آغاز وارتقا کے متعلق مختلف ماہر لسانیات کے مختلف نظریات

اُردو کی ابتدا اور ارتقا کے بارے میں جو نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ وہ ذہن کو اُلجھن میں ڈالتے ہیں مگر نظریات کے یہ اختلافات بے معنی اور بے کار نہیں ہیں۔ ان کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh. Funding by IKS-MOE-2025 Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

وجہ سے تحقیق کا میدان وسیع ہوتا رہتا ہے۔ اور نئے نئے حقائق سامنے آتے رہتے ہیں۔ قوموں کا عروج و زوال، سیاسی ماحول، تہذیبی و تمدّنی عوامل، مختلف زبانیں بولنے والوں کا رابطہ اور حالات و واقعات کے دھارے سب ہی زبانوں کی ساخت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آخر کار یہ اختلافات ہی علمی اور نظریاتی اتفاق کی بُنیاد بن جاتے ہیں۔ اس اُصول کا اطلاق اُردو زبان پر بھی ہوتا ہے۔

1۔ محمد حسین آزاد کا نظریہ

اُردو کے مشہور انشا پرداز اور تحقیق نگار محمد حسین آزاد نے جب اُردو کی تاریخ لکھنے کے لیے قلم اُٹھایا تو اُنھوں نے اُردو کی ابتدا کی بنیاد برج بھاشا پر رکھی۔ انہوں نے آبِ حیات کے پہلے صفحے پر لکھا ہے۔

''اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے۔ اور برج بھاشا خالص ہندوستانی زبان ہے۔''

بھاشا کا اُردو پر کتنا ہی گہرا اثر سہی مگر اسے اُردو کی بنیاد قرار دینا درست نہیں۔ کیوں کہ آزاد نے جس مقام سے زبان کی ابتدا اور ارتقا کا سفر شروع کیا ہے۔ اُردو کا ہیولیٰ اُس سے کہیں پہلے تیار ہو چکا تھا۔

2۔ حافظ محمود شیرانی کا نظریہ

حافظ محمود شیرانی نے اپنے نظریے کو اپنی تصنیف ''پنجاب میں اُردو'' میں مفصّل انداز سے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''اُردو دہلی کی قدیم زبان نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چوں

CC-0. Chandigarh Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں گے۔سندھ و پنجاب میں ہندو مسلم اقوام سب سے پہلے ملتی جلتی ہیں۔اس لیے اگر اُنہیں ایک عام زبان کی ضرورت ہوئی تو ان ہی ممالک میں پیش آئی ہوگی۔اور اُردو کو ان ممالک میں وجود میں آنا چاہیئے''

اس بنیاد پر شیرانی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ زبان جسے ہم ''اُردو'' کہتے ہیں سرزمین پنجاب میں پیدا ہوئی اور وہیں سے ہجرت کر کے دہلی پہنچی۔لیکن پروفیسر مسعود حسین خان نے اس نظریے کی تردید کی ہے۔

3۔ سیّد سلیمان ندوی کا نظریہ

سیّد سلیمان ندوی اپنی تصنیف ''نقوش سلیمانی'' میں اُردو کی جائے پیدائش سندھ قرار دیتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں۔مسلمان سب سے پہلے سندھ میں پہنچے ہیں۔اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو آج ہم اُردو کہتے ہیں۔اس کا ہیولیٰ وادیِ سندھ میں تیار ہوا ہوگا'' لیکن اگر حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عربی زبان کے میل جول سے جو زبان وجود میں آئی۔اُس کی موجودہ شکل سندھ میں ہے۔حتیٰ کہ سندھی زبان نے عربی رسم الخط کو بھی اپنا لیا۔اسلیے اس نظریہ میں بھی صداقت نہیں ہے۔

4۔ ڈاکٹر محی الدّین زور کا نظریہ

ڈاکٹر محی الدقادری زور نے اپنی تصنیف ''ہندوستانی لسانیات'' میں اپنا نظریہ اس طرح پیش کیا ہے:۔

''اُردو کا سنگِ بنیاد دراصل مسلمانوں کی فتح دہلی سے بہت پہلے ہی رکھا جا چکا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اُس نے اُس وقت تک ایک مستقل زبان کی حیثیت حاصل نہیں کی تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو ہے کہ اُردو اُس زبان پر مبنی ہے جو پنجاب میں بارھویں صدی عیسوی میں بولی جاتی تھی''

5۔ رام بابو سکسینہ کا نظریہ

رام بابو سکسینہ نے اپنی تصنیف ''تاریخ زبان و ادب اُردو'' میں اپنا نظریہ اس طرح پیش کیا ہے:

''اُردو اصل اور ماخذ کے اعتبار سے مغربی ہندی کی شاخ ہے جو دہلی اور میرٹھ کے نواح میں صدیوں تک بولی جاتی تھی۔ اور جو شورسینی پراکرت سے ترقی پا کر بنی۔''

6۔ ڈاکٹر گریرسن کا نظریہ

''ہندوستانی'' (اُردو) قدیم ہندی کی ایک شاخ ہے۔ یہ (ہندوستانی) دوآبہ گنگ وجمن کے بالائی حصے کی بولی ہے۔ جو مغلوں کے ابتدائی عہد میں دہلی کے بازاروں میں بولی جاتی تھی۔ مغل فوجیں اسے ہندوستان کے گوشے گوشے میں اپنے ساتھ لے کر گئیں۔''

7۔ مولوی عبدالحق کا نظریہ

''ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ بدیسی زبان ہے یا مسلمانوں کی زبان ہے۔ سراسر غلط اور لغو ہے اور جان بوجھ کر آنکھوں میں خاک ڈالنی ہے۔ مسلمان اسے کہاں سے لائے تھے؟ یہ ہندوستانی پیداوار ہے۔ اور دونوں قوموں یعنی ہندوں اور مسلمانوں کے لسانی تہذیبی اور معاشرتی تعلق کا نتیجہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بنانے والے زیادہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh. Funding by MoE-IKS-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہندو ہیں۔''

8۔ پروفیسر مسعود حسین خان کا نظریہ

پروفیسر مسعود حسین خان نے اُردو کی ابتدا کا سُراغ پانے کے لیے دہلی اور نواح دہلی کی بولیوں کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ دہلی چار بولیوں کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ بولیاں ہیں ہریانی، کھڑی بولی، برج بھاشا اور میواتی۔ ہریانی نے قدیم اُردو کی تشکیل میں حصہ لیا۔ کھڑی بولی نے جدید اُردو، کا ڈول تیار کیا۔ برج بھاشا نے اُردو کا معیاری لب ولہجہ متعین کرنے میں مدد دی۔ اور میواتی نے قدیم اُردو پر اپنے اثرات چھوڑے دہلی اور نواح دہلی کی ان قدیم بولیوں کے تقابلی مطالعے اور قدیم دور کے تحریری مواد کے تجزیے سے اُنھوں نے یہ نظریہ قایم کیا ہے:۔

''دہلی اور نواح دہلی کی یہ بولیاں اُردو کا ''اصل منبع اور سرچشمہ'' ہیں۔ اور دہلی اس کا ''مولد ومنشا'' ہے۔''

9۔ مشہور مورخ ڈاکٹر تاراچند کا نظریہ

''سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک امثالی امتزاج وجود میں آیا۔ مسلمانوں نے اپنی ترکی اور فارسی ترک کردی اور ہندوؤں کی زبان اختیار کرلی۔''

مندرجہ بالا نظریات سے حسب ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:۔

1۔ اُردو، ہندی، ہندوستانی اور دہلوی ایک ہی زبان ہے۔

2۔ یہ کھڑی بولی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

3۔ کھڑی، دہلی اور میرٹھ کی زبان تھی۔ جو مسلمانوں کی آمد سے پہلے دہلی کے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بازاروں میں بولی جاتی تھی۔

4۔ کھڑی بولی مغربی ہندی کی ایک شاخ ہے۔

5۔ مغربی ہندی، شورسینی اَپ بھرنش سے نکلی جو کچھ دوآبہ اور گنگ وجمن کے ذرخیز علاقے میں بولی جاتی تھی:۔

اُردو کے آغاز وارتقا کے سلسے میں جس طرح دہلی اور نواح دہلی کی بولیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ان بولیوں کے بولنے والوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جن میں تقریباً سب ہی ہندو تھے۔ اُس وقت ہندوؤں کی زبان یہی اُردو تھی۔ جس کا پرانا نام ہندی، ہندوی، ہندوستانی اور کھڑی بولی تھا۔ اس طرح یہ کہنا بجا ہے کہ اُردو کے آغاز و ارتقا کا سہرا حقیقی معنوں میں ہندوؤں ہی کے سر ہے۔ اور وہی اس کی پیدائش کے حقیقی ذمہ دار ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو اُردو کی پیدائش کا ذمہ دار قرار دینا اور اُردو کو ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ منسوب کرنا تاریخی اور لسانی حقائق کو جھٹلانا ہے۔ البتہ اُردو کو سنوانے، نکھارنے، ترقی یافتہ بنانے اور علمی وادبی مرتبے تک پہنچانے میں مسلمانوں نے ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

میرامن

فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۰ء میں قائم ہوا، ۱۸۱۴ء تک اس کی حیثیت ایک زندہ ادارے کی رہی اور ۱۸۵۴ء میں اس کا باضابطہ طور پر خاطمہ ہوا۔ کالج کی اس چوّن سالہ زندگی میں اُنیس اہل قلم نے کم وبیش ساٹھ کتابیں تیار کیں۔ لیکن شہرت دوام ان میں سے صرف میرامن کی باغ وبہار کو حاصل ہوئی کیونکہ جدید اُردو نثر کی بنیاد باغ وبہار کے اسلوب

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بیان پر ہے شاید یہ اس کتاب کے گہرے مطالعے کا ہی اثر تھا کہ سادگی کی اثر انگیزی سے اُردو نثر کی بنیاد قائم کی۔ سرسید نے جب اُردو میں علمی زبان کو رواج دیا تو خطوط غالب کی روایت ان کے سامنے تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ میر امن کی باغ و بہار نہ ہوتی، تو غالب کے اُردو خطوط نہ ہوتے اور یہ دونوں چیزیں نہ ہوتیں تو سرسید کی علمی نثر بھی جنم نہ لیتی۔ غرض یہ کہ میر امن کا مقام اُردو نثر کے سلسلے میں نہایت اہمیت کے حامل ہے۔

میر امن کے حالات زندگی تاریکی کے پردے میں گم ہیں ان کے بارے میں ہمیں بہت کم باتوں کا علم ہے اور اگر کچھ معلوم ہے تو اس کی بنیاد وہ تشنہ معلومات ہے جو خود انھوں نے باغ و بہار کے دیباچے میں اپنے بارے میں فراہم کی ہے۔

میر امن کے بارے میں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کے بزرگ مغل بادشاہ کے عہد حکومت سے عالم گیر ثانی کے زمانے تک دربار شاہی سے وابستہ رہے اور خانہ زاد موروثی و منصب دار قدیمی کہلائے۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے شہر ولی کو تاراج کر دیا اور سورج مل جاٹ نے ان کی موروثی جائداد پر قبضہ کر لیا تو میر امن اس شہر کو جس میں ان کا بچپن گزرا تھا خیر باد کہہ کے عظیم آباد (بہار) چلے آئے کچھ عرصہ یہاں رہے، مگر روزگار کی کوئی صورت نہ بنی۔ آخر یہاں سے تن تنہا کشتی میں سوار ہو کے کلکتہ پہنچے۔ کچھ دنوں بے روزگار رہے۔ پھر نواب دِلاور جنگ نے اپنے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کا اتالیق مقرر کر دیا۔ بظاہر یہاں نباہ نہ ہوئی۔

تقریباً دو برس بعد میر امن کو بہادر علی حسینی کے ذریعے جان گل کرسٹ تک رسائی ہوئی اور فورٹ ولیم کالج میں ملازمت مل گئی۔ میر امن نے گل کرسٹ کا ذکر بڑی شکر گذاری

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اور احسان مندی کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ طالع کی مدد سے ایسے جواں سال مرد کا دامن ہاتھ لگا ہے چاہئے کہ دن کچھ بھلے آویں۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدر دان کو کرتے ہیں۔ خُدا قبول کرے۔

کالج قائم ہونے کے کچھ دنوں بعد میر امن اس کی مصنفین میں داخل ہو گئے۔ گل کرسٹ کی فرمائش پر باغ و بہار لکھی اور ابھی انھی کی ہدایت کے مطابق اس کے لئے بول چال کی عام زبان اختیار کی۔ یہ کتاب ۱۸۰۲ء میں مکمل ہو گئی اور طباعت کیلئے پریس بھیج دی گئی۔ اس کے بعد وہ گنج خوبی کی تیاری میں مصرف ہو گئے۔ اب چند برس اس طرح گزرتے ہیں کہ میر امن کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ فرض کر لیا کہ ان کا انتقال ہو گیا لیکن یہ درست نہیں۔ ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴ جون ۱۸۰۶ء کو کالج کے ایک طالب علم نے شکایت کی کہ میر امن نے اسے پڑھانے سے انکار کر دیا۔ میر امن سے باز پُرس کی گئی جس پر انھوں نے اپنی کبر سنی یعنی بڑھاپے کا عذر کیا۔ اسلیئے ان کی واجب تنخواہ اور چار مہینے کی مزید تنخواہ حق خدمت کے طور ادا کر کے انھیں ملازمت سے سبک دوش کر دیا گیا۔ بہت بوڑھے تو وہ ہو ہی چکے تھے ہو سکتا ہے دو ایک برس بعد ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ سبکدوشی کے بعد کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ میر امن شاعر بھی تھے اور لطف تخلص کرتے تھے مگر تذکرہ نگاروں نے ان کا ذکر شاید ضروری نہیں سمجھا ورنہ ان کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

باغ بہار میر امن کا وہ کارنامہ ہے جو ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ حالانکہ یہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ان کی طبع زاد تصنیف نہیں فارسی کے ایک بے حد مقبول قصے چہار درویش کا ترجمہ ہے۔اس کے بارے میں میر امن فرماتے ہیں کہ یہ قصہ چہار درویش کا ابتدا میں میر امن خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کیا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زربخش جواُن کے پیر تھے اور درگاہ جن کی دِلی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر مٹیا دروازے سے آگے لال بنگلے کے پاس ہے۔ان کی طبیت مندی ہوئی۔تب مرشد کا دِل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور تیمارداری میں حاضر رہتے۔اللہ نے چند روز میں شفا بخش دی۔تب انھوں نے غسل صحت کے دن یہ دعا کی کہ جو کوئی اس قصے کو سنے گا خدا کے فضل سے تندرست رہے گا۔تب سے یہ قصہ فارسی میں مروجہ ہوا۔

یہ بیان تو غلط ہے کیوں کہ یہ قصہ امیر خسرو کی تصنیف نہیں، ان سے بہت پہلے کا ہے مگر اتنی بات ضرور سچ لگتی ہے کہ کسی درویش کامل کی دعا اسے ایسی لگی کہ آج تک اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔

میر محمد حسین عطا خاں تحسین باغ و بہار کی تکمیل سے تقریباً تیس برس پہلے قصہ چہار درویش کو فارسی سے اُردو میں منتقل کر چکے تھے۔تحسین ایک مایہ ناز خطاط بھی تھے اور مرصع راقم کے خطاب سے سرفراز تھے۔اس مناسبت سے انھوں نے کتاب کا نام انشائے نو طرز مرصع رکھا مگر اس نے نوطرز مرصع کے نام سے شہرت پائی۔اس کتاب کی عبارت فارسی آمیز اور انتہائی مرصع ہے۔استعارہ وتشبیہ کی بھرمار ہے۔زبان ایسی پُر تصنع ہے کہ مولوی عبدالحق کے الفاظ میں بعض اوقات پڑھتے پڑھتے جی متلانے لگتا ہے۔ایسی کتاب کالج کے طالب علموں کے لئے کیسے موزوں ہوسکتی تھی۔گل کرسٹ نے اسے آسان اور عام فہم

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

زبان میں منتقل کرنے کی ہدایت دی۔ فارسی کی چہار درویش بھی میر امن کے سامنے رہی ہوگی لیکن انھوں نے خاص طور پر تحسین کی نوطرز مرصع کو ہی سامنے رکھا اور اپنی کتاب کے سرورق پر اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا۔ باغ و بہار تالیف کیا ہوا میر امن دِلی والے کا ماخذ اس کا نوطرز مرصع کہ وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہے فارسی قصہ چہار درویش سے۔

میر امن باغ و بہار کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"خداوند نعمت صاحب مروّت نجیبوں کے قدردان جان گل کرسٹ صاحب نے (کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے، جب تک گنگا جمنا بہے) فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اُردو کے لوگ ہندو و مسلمان، عورت، مرد، لڑکے بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں۔ ترجمہ کرو۔ مواقف حکم حضورؒ کے میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔

میر امن گل کرسٹ کا حکم بجالائے۔ دِلی کے رہنے والے تھے۔ بول چال کی زبان پر قدرت رُکھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ انھوں نے عوامی زبان میں پوری کتاب لکھ دی جو جدید اُردو نثر کا سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔

باغ و بہار کا اسلوب

اُردو نثر کی تاریخ میں باغ و بہار کو بے مثال اہمیت حاصل ہے۔ اُردو میں مختصر افسانے کا جنم تو بہت بعد میں ہوا لیکن باغ و بہار میں پہلی بار افسانے کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔ اس میں ایک بادشاہ اور چار درویشوں کی کہانیاں پیش کی گئی ہیں جنھیں تمہید اور

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

خاتمے کے ذریعے آپس میں جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک داستان نہیں بلکہ پانچ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ گویا یہ اُردو افسانے کی صبح کاذب ہے۔ دوسری خاص بات یہ کہ اس کتاب میں دہلی کی تہذیب و معاشرت کی مکمل مرقع کشی نظر آتی ہے کسی شہر یا دیار کا ذکر کیا جا رہا ہو مگر بچشم غور دیکھیئے تو دِلی کی در و دیوار پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں اہم صیح مگر "باغ و بہار کی سب سے بڑی خوبی اس کا اسلوب بیان ہے۔

اُردو نثر کا پہلا شاہکار باغ و بہار ہے اس سے پہلے اُردو نثر میں کتابیں موجود تھیں مگر اُن کا انداز مصنوعی، زبان، گنجلک اور فارسی آمیز تھی۔ باغ و بہار آسان سادہ اور عام فہم زبان کا پہلا نمونہ ہے۔ آگے چل کر اُردو نثر نے جو راہ اختیار کی اس کا پتہ اسی کتاب نے دیا تھا۔ غالب نے اپنا چراغ میر امن کے چراغ سے ہی جلایا۔ مطلب یہ کہ میر امن نے جس طرح کی زبان استعمال کی تھی اس کی ذرا نکھری ہوئی شکل میں غالب نے خط لکھے اور سرسید کی علمی نثر کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ میر امن نے جان گل کرسٹ کی فرمائش پر اس کتاب اکے لئے عام بول چال کی زبان کا انتخاب کیا تھا۔

بول چال کی زبان تحریری زبان یا یوں کہنا چاہئے کہ کتابی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ تحریری زبان میں قواعد و گریمر کی پابندی کی جاتی ہے جملے اور فقرے مکمل ہوتے ہیں، رکھ رکھاؤ کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ ان سب باتوں سے ذرا بہت تکلیف اور تھوڑا سا تصنع تو پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ بول چال کی زبان میں یہ پابندیاں نہیں ہوتیں۔ باتوں باتوں میں چشم و ابرو کے اشارے بھی بہت کام کرتے ہیں اور بہت سے لفظ محذوف ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کم ہو جاتے ہیں۔ فقرے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ دو فقروں کو جوڑنے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

والے لفظ اکثر خارج ہو جاتے ہیں۔ آسان لفظوں کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ میر امن نے یہی زبان استعمال کی۔ جیسا کہ ان کا دعوا ہے۔ جولڑکے بالے عام وخاص بولتے ہیں اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔

رجب علی بیگ سرور

سال ۱۸۱۴ء عیسوی اودھ کی تاریخ میں اور اس کے ساتھ ہی اُردو ادب کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سال انگریزوں نے سیاسی مصلحت کے پیش نظر نواب غازی الدین حیدر والی اودھ کو بادشاہت کے منصب پر فائز کر دیا۔ اس کے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ اودھ کے لوگوں نے ہر معاملے میں دہلی سے مختلف راستہ اختیار کیا اور اپنی الگ شناخت بنانے کی کوشش کی۔ اہل کمال نے بھی یہی روش اپنائی۔ شاعروں اور ادیبوں نے ایسی تخلیقات پیش کرنی چاہیں جن میں دبستان دہلی کے اثر کی پرچھائیں تک نظر نہ آئے۔ اس طرح دبستان لکھنو کی بنیاد پڑی۔ شاعری میں امام بخش ناسخ اور نثر میں رجب علی بیگ سرور اس دبستان کے بانی کہلائے۔

باغ و بہار کا جواب دینے کے ارادے سے رجب علی بیگ سرور نے فسانے عجائب کے نام سے ۱۸۲۴ء میں ایک داستان لکھی جو ۱۸۴۳ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی فرمائش پر میر امن فورٹ ولیم کالج کیلئے فارسی قصہ چہار درویش کو باغ و بہار کے نام سے ۱۸۰۲ء میں آسان اُردو میں منتقل کر چکے تھے۔ تحسین کی "نوطرز مرصع" ان کے پیش نظر تھی۔ یہ قصہ فارسی چہار درویش کا پر تصنع اور پیچیدہ اُردو ترجمہ ہے۔ عبارت آرائی پر زور اور استعارہ وتشبیہ کی بھرمار ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

میر امن باغ و بہار کے دیباچے میں فرماتے ہیں کہ "خُداوند نعمت صاحب مروت، نجیبوں کے قدردان گل کرسٹ صاحب نے کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے جب تک گنگا جمنا بہیلطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اُردو کے لوگ ہندو مسلمان، مرد، عورت، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔

میر امن دِلی کے رہنے والے تھے۔ بول چال کی زبان پر قدرت رکھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ باغ و بہار کے دیباچے میں لکھا ہے کہ جو لوگ دس پانچ سال دہلی میں رہے وہ اُردو لکھیں گے تو لامحا کہ کہیں نہ کہیں چوک ہی جائیں گے پھر فخر یہ اپنے بارے میں فرمایا کہ "جو شخص سب آفتیں سہ کر دِلی کا روڑا ہو کر رہا، اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دربار امراؤں کے میلے ٹھلے، عرس چھڑیاں، سیر تماشا اور کوچہ گردی اس شہر کی مدت سے کی ہو، اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا، اس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔ یہ عاجز بھی ہر ایک شہر کی سیر کرتا اور تماشا دیکھتا یہاں تلک پہنچا ہے۔

یہ فخر اور دِلی کی زبان پر ایسا ناز اہل لکھنو کو ناگوار کیسے نہ ہوتا۔ سرور نے اس کا جواب لکھا اور و پر تصنع زبان میں لکھا۔ تحسین کی "نوطرز مرصع" کو بطور نمونہ سامنے رکھا۔ بابائے اُردو مولوی عبدِ الحق کا ارشاد ہے کہ پُر تصنع نثر وہی لکھتا ہے جو سیدھی سادھی آسان نثر نہیں لکھ سکتا جبکہ ہم "باغ و بہار" کو جدید اُردو نثر کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہیں لیکن سرور کی لکھنوی زبان کی سادگی کو عجز بیان سمجھا جاتا تھا۔ رنگینی، عبارت آرائی، مشکل الفاظ کی بھرمار، قافیہ پیمائی استعارہ و تشبیہ کی کثرت عرض ہنر مانی جاتی تھی۔ چنانچہ سرور نے یہی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

راستہ اپنایا۔ باغ و بہار کا جواب دینے کیلئے یہی سب ضروری بھی تھا۔ میر امن نے در پردہ اہل لکھنو پر جو چوٹ کی تھی "فسانہ عجائب" کے دیباچے میں اس کا بدلہ بھی لے گیا۔

نوطرزِ مرصع کی تقلید میں سرور نے دقیق و رنگین عبارت آرائی کو اپنا مطمح نظر بنایا اور قافیہ آرائی کا اس پر اضافہ کر دیا۔ سرور نے زبان کی آراستگی کا حد سے زیادہ اہتمام کیا مقفیٰ اور مسجع عبارت لکھی، عربی فارسی الفاظ کا کثرت سے استعمال، استعارہ و تشبیہ سے بہت کام لیا، جابجا اشعار پیش کئے اور اکثر موقعوں پر عرایت لفظی، ضائع لفظی و معنوی سے عبارت کو بالکل مصنوعی بنا دیا۔ نتیجہ یہ کہ "فسانہ عجائب" کی زبان بہت بوجھل ہوگئی اور بیشتر مقامات کا سمجھنا دشوار ہوگیا۔ رموز واوقاف اور اضافتیں لگانے کے بعد ہی عبارت کو پڑھنا ممکن ہے اور وہ بھی رُک رُک کر۔ طرز بیان ہی اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ نمونہ کے طور پر اس کی چند سطریں یہاں پیش کی جارہی ہیں مگر اس طرح توڑ توڑ کر کہ اسٹائل کی خصوصیات واضح ہو جائیں۔

"عجب شہر گلزار ہے۔ ہر گلی کوچہ دِل چسپ باغ و بہار ہے۔
ہر شخص اپنے طور پر باوضع قطع دار ہے۔
دور و یہ بازار کس انداز کا ہے۔
ہر دن میں سرمائی ناز و نیاز کا ہے"

ژولیدہ بیانی پُر پیچ طرز نگاش کیلئے چند سطریں ملاحظہ ہوں:۔

''جگر افگار ارمغان رونمائی میں نذر شاہزادہ والا تیار کیا''۔

اس زمانے میں لکھنؤ میں یہ انداز بیان خاص و عام میں مقبول تھا۔ لوگ اسے شوق

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سے پڑھتے اور سنتے تھے۔ جس طرح آج مشاعروں میں شعروں پر داد دی جاتی ہے اسی طرح فسانہ عجائب کے جملوں پر واہ واہ کا غلغلہ بلند ہوتا تھا مگر آج اس زبان کا پڑھنا اور سمجھنا مشکل ہے۔ سرور سہل زبان لکھنے پر بھی قادر تھے مگر اسے کسرِ شان خیال کرتے تھے۔ فسانہ عجائب کے بعض حصے آسان اور دِلکش زبان میں ہیں مثلاً بندر کی تقریر جس میں دنیا کی بے ثباتی کا بڑا پُر اثر بیان ملتا ہے یا چڑی مار کی گفتگو جو بالکل بول چال کی زبان میں ہے۔ جیوتشیوں کی گفتگو میں ہندی الفاظ کی کثرت ہے۔

فسانہ عجائب اپنے زمانے میں ایک بے حد مقبول کتاب رہی ہے۔ لکھنؤ کے علاوہ دہلی بلکہ سارے شمالی ہندوستان میں نصف صدی سے زیادہ عرصے تک اس کی پیروی کی جاتی رہی۔ انتہا یہ ہے کہ سرسید جو جدید اُردو نثر کے بانی کہے جاتے ہیں انھوں نے ۱۸۴۷ء میں دہلی کی تاریخی عمارتوں پر اہم تحقیقی مواد جمع کیا اور ایک کتاب "آثار الصنادید" تیار کی۔ اس کا پہلا ایڈیشن جو مولانا امام بخش صہبائی کے قلم سے لکھا گیا وہ سراسر فسانہ عجائب کی تلقید میں ہے مگر پُر تکلیف آرائیہ کاروبار ماضی کی بھول بسری داستان کے ایک ورق کے سوا آج اور کچھ بھی نہیں۔

ایک طلسمی داستان کی حیثیت سے فسانہ عجائب کو بہر حال ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس میں ہر طرف جن، دیو، پریاں، جادوگر اور جادوگرنیاں نظر آتی ہیں۔ طلسمی باغ اور جادوئی قلعے بھول بھلیوں سے کم نہیں۔ کوئی اس میں پھنس جائے تو کسی پیر فقیر کی دستگیری کے بنا رہائی نہ پا سکے۔ بلاؤں میں گرفتار ہو جائے تو لوح سلیمانی یا اسم عظم کے بغیر نجات نہ ملے۔ ایک اور جادو جا بجا نظر آتا ہے انسان کو جادو سے بندر، ہرن یا طوطا بنا دیا جاتا ہے کبھی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

انسان کا آدھ جسم پتھر کا ہو جاتا ہے۔

یہ ساری چیزیں وہ ہیں جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔ اسلئے ان چیزوں کو فوق فطری عناصر کہا جاتا ہے اور ان کے بغیر داستان وجود میں نہیں آسکتی۔ داستانوں کے عروج کا زمانہ وہ تھا جب واقعات کو عقل اور سائنس کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاتا تھا۔ لوگ جادو ٹونے پر یقین رُکھتے تھے۔ دیوں اور پریوں کو انسانی تخیل کی پیداوار نہیں بلکہ اصلیت سمجھا جاتا تھا۔ فسانہ عجائب کی مقبولیت کا راز صرف پر تکلف انداز بیان ہی بلکہ وہ طلسمی ماحول بھی ہے جس کی تفصیل اوپر پیش کی گئی۔

داستان در داستان فسانہ عجائب کی ایک اور خصوصیت ہے۔ اس خصوصیت کے بغیر کوئی داستان داستان کہلانے کی مستحق نہیں۔ طوالت داستان کے لئے ضروری ہے۔ قصے کو طول دینے کیلئے اس میں بہت سے ضمنی قصے جوڑ دئے جاتے تھے۔ یہ ٹیکنیک سرور نے بھی اختیار کی ہے۔ شاہ یمن کا قصہ پسر مجسٹن کی کہانی اس کی مثالیں ہیں۔ فسانہ عجائب بے شک سرور کے دماغ کی پیداوار ہے لیکن ضمنی قصے اس زمانے کی مقبول داستانوں مثلاً داستان امیر حمزہ پدماوت، نل دمن، بہار دانش گلشن نو بہار، گلشن نو بہار وغیرہ سے مستعار لئے گئے ہیں۔

داستان کو طول دینے کیلئے قصے میں قصے جوڑا جاتا ہے اس لئے داستان سے کسی مربوط پلاٹ کا تقاضا نہیں کیا جاسکتا۔ یہی حال فسانہ عجائب کا ہے کہ اس میں کوئی گھٹا ہوا مربوط پلاٹ موجود نہیں۔

کردار نگاری کا سرور کے زمانے محض وہ تصور نہیں تھا جو ناول و افسانہ کے وجود

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

میں آنے کے بعد عام ہوا۔ داستان کے کردار غیبی امداد کے بغیر پنپ نہیں پاتے۔ سرور نے کردار نگاری کی طرف توجہ کی مگر اسی کمزوری نے فسانہ عجائب کے کرداروں کو اعلا صفات سے محروم رکھا۔ اس داستان کے تین اہم کردار ہیں۔ شہزادہ جان عالم، ملکہ مہر نگار اور انجمن آرا۔

جان عالم فسانہ عجائب کا ہیرو ہے۔ اس کردار میں نشو ونما کے بہت امکانات تھے مگر سرور نے اسے مثالی بنانا چاہا جس کے سبب وہ انسانی صفات سے محروم ہو گیا۔ سرور نے اسے ایسا خوب رو بنا کر پیش کیا ہے کہ خود مصنف کے الفاظ میں "نیر عظم چرخ چہار پر اس کے رعب جمال سے تھراتا اور ماہِ کامل باوجود داغِ غلامی تاب مشاہدہ نہ لاتا" جان عالم حسن ظاہری کے علاوہ حسن باطنی سے مالا مال ہے۔ کوئی خوبی ایسی نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ علم وفضل میں شہرہ آفاق ہے۔ فن سپہ گری ہی نہیں سارے فنون میں طاق ہے۔ لیکن قدم قدم پر محسوس ہوتا ہے کہ غیبی مدد حاصل نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا بلکہ بعض اوقات تو رونے لگتا ہے۔ احمق ازلی کا خطاب ملا ہے جو درست ہے۔

ملکہ مہر نگار حسن اور دہانت دونوں دولتوں سے مالا مال ہے۔ وہ دور اندیش بھی ہے معاملہ فہم بھی اور وفادار بھی۔ انجمن آرا کا کردار بھی دِلکش ہے مگر مہر نگار کی طرح جاندار نہیں۔

لکھنوی معاشرت رجب علی بیگ سرور کا پسندیدہ موضوع ہے اور فسانہ عجائب میں یہی ان کی توجہ کا مرکز ہے۔ لکھنؤ کی سیر کرانے کی غرض سے سرور نے اس کتاب پر ایک طویل دیباچہ لکھا اور دس سال تک برابر اس میں اضافے کرتے رہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پنڈت رتن ناتھ سرشار

اُردو ناول کے فروغ میں رتن ناتھ سرشار کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش ہے کہ ان کی تخلیقات فسانہ آزاد، جام سرشار اور سیر کہسار وغیرہ نے ایسی شہرت پائی اور انھیں ایسا قبول عام حاصل ہوا کہ مولانا عبدالحلیم شرر، سجاد حسین اور مرزا محمد ہادی رسوا جیسے اہل قلم ناول نگاروں کے ہم پلہ ہوئے اور اُردو میں اس نثری صفت کی بنیاد محکم ہوگئی۔ سرشار ایک تعلیم یافتہ کشمیری پنڈت تھے۔ اُردو فارسی کے علاوہ انگریزی زبان وادب سے بھی واقف تھے۔ مدرسے سے عملی زندگی کا آغاز کیا تھا اور ترجمے کی مشق بھی بہم پہنچائی تھی۔ تصنیفی زندگی کا آغاز اودھ اخبار کی ادارت سے کیا۔ فسانہ آزاد اسی اخبار میں قسط وار شائع ہوا۔ یہ پسند کیا گیا کہ شائقین کو اگلی قسط کا انتظار رہتا تھا۔ اس سے حوصلہ بڑھا اور انھوں نے بہت سے ناول تخلیق کیے۔ ان میں جام سرشار، سیر کہسار، پی کہاں، کڑم دھڑم، طوفان بے تمیزی، چنچل اور کامنی نے بہت شہرت پائی۔ فسانہ آزاد اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ جام سرشار کی خصوصیت یہ ہے کہ فنی نقطہ نظر سے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں ان دونوں ناولوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

فسانۂ آزاد اودھ اخبار میں قسط وار شائع ہوا۔ ہر قسط میں دِلچسپی کا ایسا سامان ہوتا تھا کہ قارئین اسے بہت شوق سے پڑھتے تھے اور اسی وقت سے اگلی قسط کا انتظار شروع ہو جاتا تھا۔ سرشار ایک لاابالی انسان واقع ہوئے تھے اور ہر وقت عالم سرور میں رہتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اخبار چھپنے کا وقت سر پر آپہنچا اور ''فسانہ آزاد'' کی اگلی قسط کا انتظار ہوتا۔ آخر کار سرشار کو تلاش کر کے کشاں کشاں دفتر میں لایا جاتا۔ یہ اسی عالم سرور میں ایک قسط

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

برداشتہ لکھ ڈالتے بلکہ اکثر تو کاتب براہ راست املا کرا دیتے۔

سرشار ایسی بے پناہ تخلیقی صلاحیت کے مالک تھے کہ انھوں نے ہاتھ روک کے لکھا ہوتا یا نظر ثانی کی زحمت گوارا کی ہوتی تو اُردو ناول میں آج ان کا جو مرتبہ ہے اس سے کہیں زیادہ بلند ہوتا۔ وہ ایک فطری اور پیدائشی فن کار تھے۔ زبان پر انھیں حاکمانہ قدرت حاصل تھی۔ علاوہ ازیں ناول کی روایت سے وہ بخوبی واقفے تھے۔ رچرڈسن، فیلڈنگ، اسکاٹ، کی تخلیقات کے علاوہ، الف لیلہ، انوار سہیلی، داستان امیر حمزہ، گل بکاولی، مراۃ العروس، بنات النعش، رامائن، مہابھارت، قصہ نل و من ایک عرصے تک ان کے زیر مطالعہ رہی تھیں۔ نتیجہ یہ کہ ناول نگاری کا فن ان کے خون میں رچ بس گیا تھا۔

''فسانہ آزاد'' کے لیے سرشار نے ایسا موضوع انتخاب کیا جس میں سیر سپاٹے' ہنسی دِل لگی، کردار نگاری، مختلف انداز کی بات چیت غرض طرح طرح کے ہنر دکھانے اور قارئین کی توجہ کو گرفت میں لینے کے مواقع میسر آسکتے تھے۔ آزاد ایک سیلانی آدمی ہیں۔ حسن آرا کو دیکھتے ہی اس پر جی جان سے فدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی فرمائش پر جنگ روم و روس میں حصہ لیتے ہیں۔ وہاں اپنی شجاعت و جواں مردی کا مظاہرہ کرنے کے بعد کامیاب و کامراں لوٹتے ہیں اور اپنے دِل کی مراد پاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حسن آرا سے شادی ہو جاتی ہے۔ یہ چھوٹا سا قصہ ہے جسے طول دے کر اتنے صفات پر پھیلایا گیا ہے۔ لیکن واقعات اور طرز تحرے دونوں میں ایسی دِلکشی پائی جاتی ہے کہ طوالت ناگوار نہیں گزرتی۔

جام سرشار کو فنی نقطہ نظر سے ایک مکمل ناول کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی اودھ اخبار میں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

قسط وار شائع ہوا لیکن بعد کو مصنف نے پنڈت مادھو پرشاد ڈپٹی کلکٹر کے تعاون سے اس پر نظر ثانی کی۔ جو واقعات غیر ضروری معلوم ہوئے انھیں خارج کر دیا گیا۔ اس طرح پلاٹ مربوط ہو گیا۔ ناول کے مختلف حصوں میں تناسب و ہم آہنگی پیدا ہو گئی اور ایک ایسا ناول وجود میں آ گیا جو اُردو کے بہترین ناولوں کی صف میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔

سرشار کا فن بے شک بے عیب نہیں۔ اس وقت اُردو میں ناول نگاری کا فن اپنی عمر کے پہلے پر حلے میں تھا۔ مولوی نذیر احمد کے مبارک ہاتھوں سے اس کی بنیاد پڑی تھی اور سرشار اس بنیاد کو مستحکم کر رہے تھے۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان کے ناول خامیوں سے یکسر پاک ہوں۔ ان خامیوں میں ان کی ذاتی کمزوریوں کو بھی کسی حد تک دخل ہے۔ مے نوشی اور بے نیازی نے ان کے فن کو نقصان پہنچایا ورنہ اُردو ناول کی تاریخ میں ان کا رتبہ اور بھی بلند ہوتا۔

آیئے غور کریں کہ سرشار کی ناول نگاری کی خصوصیات ہیں کیا:۔

لطف اندوزی کو سرشار ناول کا بنیادی مقصد خیال کرتے تھے۔ ان سے پہلے مولوی نذیر احمد نے کئی ناول لکھ کر اُردو میں اس صنف کی بنیاد ڈالی تھی۔ دونوں تقریباً ہم عصر ہیں مگر دونوں فن کاروں کا نقطۂ نظر جُدا گانہ ہے۔ مولوی صاحب کی تمام تخلیقات کے پس پشت کا جذبہ کار فرما ہے۔ سرشار کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر واقعے کو اس انداز سے لکھیں اور ہر کردار کو اس طرح پیش کریں کہ پڑھنے والا خوش ہو اور اس کا کچھ وقت ہنسی خوشی کٹ جائے۔ ان کے ناولوں کو پڑھنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ کسی طرح کی اصلاح، نصیحت، اخلاقی تعلیم ان کے پیش نظر نہیں۔ وہ ناول کو حظ اندوزی کا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

وسیلہ اور وقت گزاری کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔

پلاٹ کے اعتبار سے سرشار کا فن کمزور نظر آتا ہے۔ پلاٹ کی تیاری و تنظیم کی طرف ان کی توجہ کم ہے۔ ''جام سرشار'' اور ''کامنی'' کے علاوہ باقی ناولوں کے پلاٹ ڈھیلے ڈھالے ہیں۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ناول قسط وار اچھے۔ اگلی قسط لکھتے وقت پچھلی قسط ان کے ذہن ہوتی تھی۔ یہ نہیں کہ اسے سامنے رکھ کر غور کرتے۔ پھر آگے قدم بڑھاتے۔ ان کی ساری تحریریں قلم برداشتہ ہوتی تھیں اور بالعموم نظر ثانی سے محروم رہتی تھیں۔ طوالت بھی پلاٹ کو نقصان پہنچاتی تھی اور داستان کا سا انداز پیدا ہو جاتا تھا۔

کردار نگاری کا سرشار کو بڑا سلیقہ ہے۔ انھوں نے خوجی، آزاد، حسن آرا، اللہ رکھی، قمرن، ظہورن جیسے زندہ جاوید کردار اُردو ناول کو عطا کیے۔ بقول علی عباس حسینی ''وہ ہر طبقے، قوم، ملت و مذہب اور ہر پیشے کے آدمی سے واقف دکھائی دیتے ہیں۔'' ان میں مسجد کے ملّا بھی ہیں اور مجتہد عصر بھی، نجومی و رمّال بھی، پنڈت بھی، حکیم اور ڈاکٹر بھی، بیوقوف بننے والے نواب اور ان کو لوٹنے والے مصاحب بھی، پتنگ باز، افیونی، چانڈو باز، غنڈے بدمعاش، نیک و بد، نائی، حلوائی، سیٹھ، بزاز۔ ہر طرح کے لوگ ان کے ناولوں میں موجود ہیں۔ عورتوں کو دیکھیے تو وہ گھر کی چار دیواری میں قید رہنے والی عورتوں کو بھی خوب پہچانتے ہیں اور گھر سے باہر رنڈیوں، بھٹیارنوں وغیرہ کو بھی۔

آزاد نئی روشنی کے مہم جُو آدمی ہیں۔ خوجی ان کی ضد ہیں مگر ہیں بہت خوب۔ ان کا نام آیا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ کیکڑے کا بدن اور مچھر کا دِل پایا ہے مگر بات بات پر گیدڑ بھپکیوں سے کام لیتے ہیں۔ ''جاگیدیے نہ ہوئی میری قرولی وار نہ ابھی بھونک دیتا۔''

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پٹتے بھی جاتے ہیں اور اکڑاتے بھی جاتے ہیں۔ کسی عورت نے ان کے بونے قد پونظر ڈال لی تو یقین ہوگیا کہ ضرور مرمٹی ہے۔ مگر ایک بات ہے جس سے دوستی کی نباہی۔ آزاد سے ان کا تعلق مخلصانہ ہے۔ جام سرشار کے نواب امین الدین حیدر بے حد معمولی شکل کے آدمی ہیں مگر یہودیوں کے حسن و جمال کا ذکر سن کر انھیں اپنے حسن کی شان میں گستاخی کا احساس ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''توبہ کر کے اور کان پکڑ کر کہتا ہوں کہ ایک دفعہ ایں جانب کو بھی دیکھ لیں تو ہزار جان سے قربان ہو جائیں۔'' مغلانی کی شوخ وشنگ چھوکری ظہورن اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔ غرض کردار نگاری کے فن میں سرشار اپنا جواب آپ ہیں۔

مکالمہ نویسی کا سرشار کو بہت سلیقہ ہے۔ جو کرداروں کی زندگی اور ان کے ذہنی عمل سے اچھی طرح واقف ہو وہ مکالمہ نویسی میں ناکام نہیں ہوسکتا۔ مکالمہ نگاری میں سرشار کی کامیابی کا یہی راز ہے۔ وہ جانتے ہین کہ کس طبقے کے لوگ کس طرح کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ مختلف طرح کے لوگوں کی ذہنیت، مزاج اور طور طریقوں سے وہ پوری طرح آشنا ہیں۔ ہر سطح کے لوگوں اور ان کے طرزِ تکلم سے واقفیت رکھتے ہیں اور مکالمہ نگاری کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ سرشار کو مکالموں کا بادشاہ درست ہی کہا گیا ہے کہ ان کے ناولوں میں بیگموں کی آپسی، چھیڑ چھاڑ، ماما دائیوں کی ہنسی ٹھٹھول، گالی گلوچ، مولویوں کے لکچر سب اپنے اپنے موقع ومحل پر بیش قیمتی نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

کامیاب مکالمہ نگاری کے لیے ایک چیز اور ضروری ہے اور وہ ہے زبان۔ سرشار نے بڑی محنت سے اُردو زبان سیکھی تھی اور اس کے مستقل استعمال سے زبان پر پوری طرح قدرت حاصل ہوگئی تھی۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ظرافت نے سرشار کے ناولوں کو مقبول بنانے میں سب سے اہم رول ادا کیا ہے۔ لکھتے وقت جو پہلا مقصد ان کے سامنے رہتا تھا وہ ہنسانا ہنسانا تھا۔ سنجیدہ موضوعات انھیں اپنی طرف متوجہ کرنے میں ناکام رہتے تھے۔ وہ ظرافت کے زریعے زندگی کی سنجیدگی اور تلخی کو کم کر کے اسے خوشگوار بنانا چاہتے تھے۔ کردار نگاری ہو یا کسی واقعے کی تصویر کشی ان کی پوری کوشش یہی رہتی ہے کہ قاری کو ہنسائیں' اسے خوش کریں۔ ایک جگہ چوروں کا منتر اس طرح سناتے ہین'' آج کل منہگی کا سمے ہے۔ کون جانتا ہے کیسا وقت آپڑے۔ وہی مچھلی کے ٹکے' کہیں اٹکے نہ کہیں بھٹکے' ہتھا مارا اور سٹکے۔ یا فروز شاہ شکاری! چڑیا ہماری دم تمھارا۔''

عریانی جس نے سرشار کے ناولوں کو بعض جگہ ایسا بنا دیا ہے کہ اکثر سنجیدہ مزاج لوگوں کے پیشانیوں پر شکنیں پڑ جاتی ہیں' ان کی حد سے بڑھی ہوئی ظرافت کا ہی نتیجہ ہے۔ ظرافت سے آگے بڑھ کر وہ ہنسی ٹھٹھول اور پھکڑ پن پر اُتر آتے ہیں۔ پنڈت بشن نرائن کا ارشاد ہے کہ سرشار کی اکثر تصانیف اتنی عریاں ہیں کہ وہ لڑکیوں کو نہیں پڑھائی جاسکتیں۔ اکثر جگہ وہ فحش نگاری کی دِلدِل میں پھنس جاتے ہیں اور بدی کو سراہنا تو ان کے لیے عام بات ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ زندگی کی حقیقتوں کی اصلی اور سچی تصویر کھینچتے ہیں جو اکثر ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔ اس میں فن کار کا کیا قصور ہے۔

تہذیب ومعاشرت کی مرقع کشی سرشار کے ناولوں کا خاص وصف ہے۔ ان کے اجداد کا وطن تو کشمیر تھا لیکن ان کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی۔ یہیں پلے بڑھے۔ یہاں کی تہذیب اور یہاں کے رہن سہن کو بچپن سے دیکھا۔ اس متاع عزیز کو وہ اپنے سینے سے جدا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نہ کر سکے۔انھوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا لکھنؤ کی زندگی کی اصلی اور سچی تصویریں پیش کر دی ہیں۔

لکھنؤ اور اس کی تہذیب ومعاشرت کی مرقع کشی سرشار کو اُردو ناول نگاروں میں ممتاز کرتی ہے۔

میر تقی میر

ایک فارسی شاعر نے اپنے قطعے میں یہ مضمون ادا کیا کہ شاعری میں تین پیمبر گزرے ہیں: فردوسی، انوری اور سعدی۔

سننے والے نے پوچھا: اور حافظ؟

"وہ خُدائے سخن تھا" شاعر نے برجستہ جواب دیا۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد میر کے ایک پرستار رقم طراز ہیں کہ جو رتبہ فارسی شاعری میں حافظ کا ہے بالکل وہی اُردو شاعری میں میر کا۔ بلاشبہ وہ اُردو شاعری کے خدائے سخن ہیں۔اس رائے کی تائید اس لطیفے سے بھی ہوتی ہے جو مولانا حالی نے ایک جگہ بیان کیا ہے مفتی صدرالدین آزردہ کے مکان پر چند احباب جمع تھے۔ان میں مومن وشیفتہ بھی تھے۔ اس محفل میں یہ شعر پڑھا گیا۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ نہ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

شعر کی بے انتہا تعریف ہوئی اور سب کو یہ خیال ہوا کہ اس قافیے کو ہر شخص اپنے اپنے سلیقے اور فکر کے موافق باندھ کر دکھائے۔سب نے قلم دوات اور کاغذ لے کر الگ الگ بیٹھ

CC-0.Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

گئے اور اس قافئے میں شعر کہنے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی وقت ایک اور دوست تشریف لائے۔ یہ منظر دیکھ کر حیران ہوئے پوچھا کیا ہو رہا ہے؟ جواب ملا قُل ہوا اللہ کا جواب لکھا جا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح کلام اللہ کا جواب لکھنا انسان کے بس کی بات نہیں اسی طرح کلام میر کا جواب بھی ممکن نہیں اُردو کے بڑے بڑے شاعروں نے میر کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ غالب فرماتے ہیں۔

ے ریختے کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

ایک اور شعر میں ارشاد ہوتا ہے۔

ے غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

ذوق بھی کمالِ میر کے معترف ہیں۔

ے نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

ہر بڑے فنکار کو اپنی عظمت کا احساس ہوتا ہے میر بھی جا بجا اپنے کلام پر فخر کرتے نظر آتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔

ے جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اگر چہ گوشہ نشیں ہوں میں شاعروں میں میر
پہ میرے شعر نے روئے زمیں تمام لیا

بلکہ یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اور اس میں شک نہیں کہ اپنے زمانے سے لے کر ہمارے زمانے تک اُردو غزل کی دنیا پر میر ہی چھائے ہوئے ہیں۔ آئی۔ اے۔ ریچرڈز کا قول ہے کہ فن پارہ اپنی تخلیق کے سو سال بعد تک زندہ رہے تو یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ دو صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود میر کی غزل آج بھی تر و تازہ ہے بلکہ اس کی کشش میں کچھ اور اضافہ ہو گیا ہے۔ میر کی عظمت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ آئیے اب اس عظمت کا راز جاننے کی کوشش کریں۔

میر کی عظمت کا راز

میر کا کلام ان کی اپنی زندگی میں دور و نزدیک ہر طرف شہرت پا گیا تھا۔ اس کے بعد بھی ہر دور کے بڑے بڑے شاعر میر کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے عہدِ حاضر کی زندگی جن حالات سے دوچار ہے اس میں میر کی آواز کچھ زیادہ ہی مانوس معلوم ہوتی ہے بلکہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی مقبولیت روز افزوں ہے۔ اس مقبولیت کے اسباب جنھیں غزل میر کی خصوصیات کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں:۔

فکر کا عنصر:- یہ بات اکثر کہی گئی ہے کہ کلام میر میں فکر کا عنصر ناپید ہے اور ان کی شاعری صرف جذبات کی شاعری ہے شاعری اور خاص طور پر غزل میں فلسفہ و پیغام کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

گنجائش کم ہی ہے کیونکہ غزل کا آرٹ رمز وایما یعنی اشارے کنائے کا آرٹ ہے اور اشاروں میں کسی فلسفے کا پیش کر دینا آسان کام نہیں۔ اقبال جیسے شاعر کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں کہ انھوں نے غزل میں ایک پیچیدہ اور مربوط فلسفہ کا میابی کے ساتھ پیش کر کے دکھادیا۔

انسان کو خُدا تعالیٰ نے دو اہم صلاحتوں سے نوازہ ہے وہ غور وفکر بھی کرتا ہے اور محسوس بھی کرتا ہے پہلی قوت کا نام ہے ادراک اور دوسری کا احساس شاعری میں ان دونوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اعلا درجے کی شاعری میں فکر وادراک اور جذبہ واحساس گھل مل کر ایک ہو جاتے ہیں بڑا شاعر زندگی کی حقیقتوں پر غور کرتا ہے اور انھیں شعر میں پیش کرنے سے پہلے جذبہ واحساس کی تشکل دے دیتا ہے۔ میر نے فرض بڑی غور کرتا ہے اور انھیں شعر میں پیش کرنے سے پلے جذبہ واحساس کی شکل دے دیتا ہے میر نے یہ فرض بڑی ہنر مندی سے ادا کیا۔ بے شک میر میں عقلی تجربے کی ایسی صلاحیت نہ تھی جیسی مثلاً غالب میں ہے۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ سوچتے نہ ہوں اور زندگی کی حقیقتوں پر غور نہ کرتے ہوں۔ مثلاً کسی شیشے کے کرخانے کو دیکھ کر انھیں محسوس ہوتا ہے کہ پھونک مارنے میں ذراسی بے احتیاط طی مصنوعات کی شکل بگاڑ دیتی ہے اس کے ساتھ ہی انھیں معاملات دنیا کا خیال آتا ہے کہ یہاں بھی پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے۔ ذرا غافل ہوئے اور کام بگڑا کہتے ہیں۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کا رگہ شیشہ گری کا

اسی غزل کے دو اور شعر ہیں جن سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ شاعر غور کرنے اور نتیجہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab, Jammu

نکالنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے ملاحظہ فرمائے۔

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اس پہ یہیں شعور ہے پھر نوجہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت؟
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

میر کے کلیات میں اس کی اور مثالیں بھی مل جائیں گی مگر حقیقت یہ ہے کہ تفکر کی مثالیں ان کے یہاں کم ہیں۔ میر دراصل جذبات کے شاعر ہیں کوئی خیال ان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو وہ فوراً اسے شعر کے سانچے میں ڈھال دیتے یہ خیال ان کے دماغ میں پکتا اور پگھلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جذبہ و احساس کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور آخر کار تاثیر سے لبریز شعر کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ مثلاً وہ موت کی حقیقت پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موت زندگی ہیں تھک کر ذرا دیر دم لینا ہے تا کہ مسافر تازہ دم ہو کر سفر جاری رکھ سکے۔

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے　　یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

یا یہ شعر:۔

الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہے زندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خُدا ہوتے

موضوعِ سخن:۔ جو شاعر کسی خاص نظریے یا کسی خاص فلسفے کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں عام طور پر ان کی شاعری تازگی سے محروم ہو جاتی ہے اور اسے پڑھ ایک

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

طرح کی تنگی کا احساس ہوتا ہے۔ میر کسی خاص نظریہ کے شاعر نہیں اور وہ زندگی کو کسی مخصوص عینک سے نہیں دیکھتے زندگی میں پیش آنے والا ہر چھوٹا بڑا تجربہ ان کے دِل پر اثر کرتا ہے اور کسی شعر کی بنیاد بن جاتا ہے۔ اس طرح میر اپنی شاعری میں بہت سے تجربات پیش کرنے جمیں کامیاب ہیں اور ان میں بڑی تعداد ان تجربات کی ہے جو عشق و عاشقی سے متعلق ہیں یہ واردات وہ ہے جو ہر دِل پر کبھی نہ کبھی ضرور گزرتی ہے اس لئے کی شاعری میں ہر دِل کو اپنی کہانی سنائی دیتی ہے۔ میر اپنی آپ بیتی سناتے ہیں اور سننے والے کو اپنی آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے تو کہا گیا کہ میر نے آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا۔

میر کی زبان:۔ ورڈزورتھ شاعری کیلئے بول چال کی عام زبان کو پسند کرتا ہے میر نے اپنی شاعری میں ہیی زبان استعمال کی ہے میر کی اس خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے پرفیسر نورالحسن نقوی رقم طراز ہیں۔

''میر شعر نہیں کہتے باتیں کرتے ہیں وہ باتیں جو سننے والے کو ایسی لگیں جیسے پہلے سے اس کے دِل میں موجود تھیں انداز ایسا جیسے بے تکلف دوست سے راز و نیاز میں محو ہو لہجہ گوشی کا زبان عام بول چال کی۔''

میر کی کلیات میں ان گنت ایسے شعر موجود ہیں جن پر بات چیت کا گمان ہوتا ہے۔ اور میر کو اپنی اس خصوصیت پر ناز ہے۔ کتنے فخر سے کہتے ہیں۔

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سُنیے گا
جب باتیں ہماری سنیے گا، تو دیر تلک سر دھنیے گا

مگر یہاں ایک نقطے کا ذہن نشیں کر لینا ضروری ہے شاعر بول چال کی زبان کو

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab,Jammu

استعمال ضرور کرتا ہے۔ مگر اسے شاعری زبان بنالیتا ہے یہ آسان کام نہیں ہے۔ عام بول چال کی زبان کو شعر کی زبان بنانے کے لے شعری وسائل سے کام لینا پڑتا ہے۔ مطلب یہ کہ شاعر کہیں استعارہ وتشبیہ کا سہارا لیتا ہے۔ کہیں رمز وکنائے کا کہیں صنعت سے کام لیتا ہے تو کہیں پیکر تراشی سے کام لیتا ہے۔ باپ کی وفات کے بعد میر کو اپنی کس مپرسی کا احساس ہوا تو ایک جگہ تو انھوں نے اس خیال کو تقریباً نثر کے انداز میں ادا کر دیا کہ۔۔

اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے یاں سدا　　مشفق کوئی نہیں ہے کوئی مہرباں نہیں

دوسری جگہ یہی تجربہ شعری انداز اختیار کر لیتا ہے۔

اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں　　یاں کھبو سرو گل کے سایے تھے

آفتاب سے مراد ہے دھوپ۔ شاعر جب یہ کہتا ہے کہ میں دھوپ میں کھڑا ہوا ہوں تو مطلب یہ ہے کہ زمانے کے شدائد جھیل رہا ہوں اور جب یہ کہتا ہے کہ کبھی میرے سر پر پھولوں اور خوبصورت پودوں کا سایہ تھا تو کہنا یہ چاہتا ہے کہ ایک زمانہ تھا جب مجھے ہر طرح کی آسائش میسر تھی۔ گویا دھوپ اور سایہ دو استعارہ ہیں۔ ایک جگہ پھول کی بے ثباتی دکھانی مقصود ہے تو فرماتے ہیں۔۔

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات؟　　کلی نے یہ سن کر تبسّم کیا

یہ شعر پیکر تراشی کا بہترین نمونہ ہے۔ پھول اور کلی دونوں نے جاندار کو داروں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اسے تجسیم کہتے ہیں۔ کلی کا تبسم نہایت معنی خیز ہے۔ پہلے تو یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ شاعر کا سوال بڑا مضحکہ خیز تھا۔ کلی اس احمقانہ سوال کا جواب کیا دیتی۔ طنز سے مسکرا دی کیونکہ پھول کی زندگی اتنی مختصر ہے کہ اس کے بارے میں کچھ پوچھنا نادانی ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ کلی کے مسکرانے میں بس ایک پل لگتا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اشارہ یہ کہ جتنی دیر کی میری مسکراہٹ ہے بس اتنی ہی پھول کی زندگی ہے۔

اب ملاحظہ ہوں بات چیت کی زبان میں میر کے چند شعر:۔

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ　　ناداں پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا　　آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

باہم سلوک تھے تو اٹھاتے تھے نرم گرم　　کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

موسیقی یا ترنم شاعری کے لیے بے حد ضروری ہے۔ جس طرح اچھی نثر کی خوبی یہ ہے کہ اسے بلند آواز سے پڑھائے جائے تو کانوں کو حظ یعنی لطف حاصل ہو اسی طرح اچھی شاعری اسے کہیں گے جسے گایا جا سکے۔ کولرج کے نزدیک نثر کی تعریف ہے۔ الفاظ بہترین ترتیب کے ساتھ، اور شعر کی تعریف، بہترین الفاظ بہترین ترتیب کے ساتھ، شعر کے لیے شاعر پہلے تو بہترین لفظوں کا انتخاب کرتا ہے۔ پھر انھیں بہترین ترتیب کے ساتھ پیش کر دیتا ہے۔ میر کو لفظوں کے انتخاب اور ان کی ترتیب دونوں کا ہنر خوب آتا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ موسیقی کے فن میں ماہر ہیں۔ بہت غور و فکر کے بعد وہ لفظوں کا انتخاب کرتے ہیں اور انھیں اس طرح شعر میں بٹھاتے ہیں کہ دِلکش ترنم پیدا ہو۔ کبھی کبھی لفظوں کی تکرار سے خوشگوار آہنگ پیدا کرتے ہیں۔

اشعار میر کی نغمگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ اسما کم اور افعال زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ بعض شعروں میں ایک سے زیادہ نحوی اکائیاں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ افعال سے نغمگی پیدا ہوتی ہے، اب دیکھیے اس کی مثالیں:۔

کن نیندوں اب تو سوتی ہے/ اے چشم گریہ ناک

مژگاں تو کھول/شہر کو سیلاب لے گیا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

عشق ہمارے خیال پڑا ہے/خواب گیا/آرام گیا
دِل کا جانا ٹھیر گیا ہے/صبح گیا/یا شام گیا

اس نغمگی کا دوسرا راز یہ ہے کہ میر کے کلام میں طویل مصوتوں کا استعمال زیادہ ہے اور تیسری بات یہ کہ فارسی عربی کی صغیری آوازوں کے ساتھ دیسی ہکار آوازوں کی آمیزش نے کلام میر کی موسیقیت میں اضافہ کیا ہے۔

غرض نغمگی و موسیقیت میر کی شاعری کا ایک امتیازی نشان ہے۔ اسے ان کی صناعی اور شاعرانہ مہارت ہی کہا جا سکتا ہے کہ بھدا اور ثقیل لفظ بھی ان کے ہاتھ میں پہنچ کر موم ہو جاتا ہے اور وہ جس طرح چاہتے ہیں اسے استعمال کرتے ہیں۔

فارسی تراکیب :۔ غالب کی فارسی تراکیبوں پر برابر اعتراض ہوتا رہا ہے۔ دِلچسپ بات یہ ہے کہ غالب نے متعدد تراکیب کلامِ میر سے لی ہے۔ میر نے دو دو اور تین تین والی تراکیب استعمال کی ہیں مگر یہ شعروں میں اس طرح کھپ گئی ہیں کہ کسی کو ان کے وجود کا احساس تک نہیں ہوتا۔ دیکھئے:۔

ہنگامہ مہ گرم کن جو دِل ناصبور تھا — پیدا ہر ایک نالے سے شورِ نشور تھا
کوئی ہو محرومِ شوخی تر اتو میں پوچھوں — کہ بزمِ عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی

ان شعروں میں ہنگامہ گرم کن، دِل ناصور، شورِ نشور، محرمِ شوخی، بزمِ عیش جہاں اور ان کے علاوہ دیگر اشعار میں نمونہ یوم الحساب، خلوتیِ رازِ نہاں جیسی ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں۔ میر فارسی الفاظ و تراکیب کے پہلو بہ پہلو وسواس، بھیچک اور اسی طرح کے دوسرے ہندی الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں نہ فارسی الفاظ نوگوار

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

ہوتے ہیں نہ ہندی الفاظ کیونکہ انھیں دونوں کے استعمال کا سلیقی آتا ہے۔

پیکر تراشی:۔ لفظوں کے ذریعے تصویر بنانا یعنی پیکر تراشی کلام میر کا وصفِ خاص ہے۔ یہ ایک ایسا شعری وسیلہ ہے جس کوئی حالت یا کوئی منظر قاری کے پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے دیکھی ہوئی چیز سُنی ہوئی چیز سے دِلکش و پُر اثر ہوتی ہے۔ میر اس راز سے بھی واقف ہیں اور فن پیکر تراشی سے متعلق ان کی معلومات بھی غیر معمولی ہیں۔ اس لیے میر کت کلام میں شعری پیکر ہر طرف بکھرے نظر آتے ہیں۔ یہاں دو ایک شعر مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں:۔

چلتے ہو تو چمن کو چلیے، سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں، پھول کھلے ہیں، کم کم بادو باراں ہے
رات محفل میں تری ہم بھی کھڑے تھے چپکے
جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

استعارہ و تشبیہ:۔ پیکر سازی میں استفادہ اور تشبیہہ بہت معاون ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے محبوب کو چاند کہتا ہے تو چاند کی تصویر آنکھوں میں کھینچ جاتی ہے۔ میر کے یہاں تشبیہیں زیادہ اور استفادے کم ملتے ہیں، کیونکہ تشبیہہ سے وضاحت پیدا ہوتی ہے اور استفادے میں ایک طرح کا ابہام پایا جاتا ہے۔ میر تشبیہیں بھی ایسی انتخاب کرتے ہیں جن تک آسانی سے زہن کی رسائی ہو جائے۔ دیکھیے اس کی چند مثالیں:۔

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے — دِل ہوا ہے چراغ مفلس کا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

سوز و گداز:۔ میر نے ایک شعر میں اپنی قلمی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے:۔

قامت خمیدہ ، رنگ شکستہ، بدن نزار
تیرا تو میر غم میں عجب حال ہو گیا

اور اس میں شک نہیں کہ غموں نے میر کو نڈھال کر دیا تھا۔ ہوش نہ سنبھال پائے تھے کہ باپ اور منہ بولے چچا نے داغِ مفارقت دیا۔ سوتیلے بھائی نے دشمنوں کا سا سلوک کیا۔ دہلی پہنچ کے خان آرزو کے گھر پہان لی۔ سوتیلے بھائی نے انھیں بھی ایسا دشمن بنا دیا کہ جان کے درپے ہو گئے۔ ان کا گھر چھوڑ کے در بدر آوارہ پھرے۔ آخر کار غموں کا ایسا زخم توازن کھو بیٹھے۔ زندگی میں کئی بار ایسے موقعے آئے کہ ایک ایک کے دروازے پر دستک دی اور ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلایا مگر یہ آشفتہ حالی کا وہ زمانہ تھا کہ کوئی کسی کے کام نہ آسکتا تھا۔ ہر جگہ سے ناکام لوٹے۔ تنگی معاش نے زندگی بھر عاجز رکھا۔ یہی حالات تھے جنھوں نے چڑچڑا اور بدمزاج بنا دیا تھا۔ مندرجہ ذیل بند اسی حالت کو ظاہر کرتا ہے:۔

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ
دِل سوزشِ درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے، سارا جگر ہے داغ
ہے مجلسوں میں نام مرا میر بے دماغ
از بس کہ بد دماغی نے پایا ہے اشتہار
مجنوں گر کھوری نے کہا ہے غم اندوہ کے شاعر کا تتبع ہے

CC-0 Agamdoam Digital Preservation Foundation, Chandigarh. Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہوتا ہے۔اس رائے کے درست ہونے میں شک نہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حزنیہ شاعری نشاطیہ شاعری سے زیادہ پُر اثر ہوتی ہے۔اس کے علاوہ میر کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے غم کو آفاقی غم کو آفاقی غم بنا کر پیش کیا ہے۔نتیجہ یہ کہ پڑھنے والے کو ان کا اپنا غم معلوم ہوتا ہے اور کلام میر کا دائرہ اثر بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

میر کے غم کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ہمیں پسپا نہیں کرتا، حوصلہ بڑھایا ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔بقول سید عبداللہ میر اپنے شعروں میں غم کا اظہار تو جا بجا کرتے ہیں۔مگر اس لیے کہ ہم اس تلے دب نہ جائیں وہ برابر ہمیں سہارا دیے رہتے ہیں۔غم کے پہلو بہ پہلو وہ کسی نہ کسی خوشی کا ذکر بھی کرتے جاتے ہیں جس سے غم کی شدت کم ہو جاتی ہے اور وہ گوارا محسوس ہونے لگتا ہے۔چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

ایک محروم چلے میرؔ ہمیں دنیا سے ورنہ عالم نے زمانے کو دیا کیا کیا کچھ

جن بلاؤں کو میرؔ سنتے تھے ان کو اس روزگار میں دیکھا

یار وئے یار لایا، اپنی تو یوں ہی گزری

کیا ذکر کر ہم صفیراں، یارانِ شادماں کا

میر کی سادگی، ان کا انداز بیان، ان کی دِل گداختگی ان سب چیزوں نے کلامِ میر میں بے پناہ تاثیر پیدا کر دی ہے اور ان کا وہ مصرع بے اختیار یاد آتا ہے جو انھوں نے اپنے بارے میں کہا تھا:۔

میر کی اس سحر بیانی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے بابائے اُردو مولوی عبدالحق فرماتے ہیں:۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

''میر کے شعر چپکے چپکے خود بخود دِل میں اثر کرتے چلے جاتے ہیں جس کی مثال اس نشتر کی سی ہے جس کی دھار نہایت باریک اور تیز ہے اور اس کا اثر اسی وقت معلوم ہوتا ہے جب وہ دِل پر جا کر کھٹکتا ہے۔ میر کا رتبہ انیس سے بلند ہے کہ انیس رُلاتے ہیں۔ میر خود روتا ہے۔ یہ آپ بیتی ہے اور وہ جگ بیتی۔''

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

جس زمانے میں مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور مشرقی تہذیب کا آفتاب غروب ہونے کو تھا اس وقت شعر و ادب کی دنیا میں چند ایسی شمعیں روشن ہوئیں جنھوں نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ مرزا اسداللہ خاں غالبؔ اس عہد کے سب سے نامور شاعر ہیں۔ ان کے دم سے اُردو شاعری کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ پروفیسر آل احمد سرورؔ کے قول کے مطابق ''غالبؔ سے پہلے اور د شاعری دِل والوں کی دنیا تھی، غالبؔ نے اسے ذہن دیا''۔ انھوں نے غزل میں نئے موضوعات اور نئے مضامین داخل کر کے اس کا دامن وسیع کر دیا۔

اُردو ادب میں غالبؔ کو بہت بلند رتبہ حاصل ہے۔ وہ ہماری زبان کے بہت بڑے نثر نگار بھی ہیں اور بہت بڑے شاعر بھی۔ یہاں ہمیں ان کا مطالعہ ایک شاعر کی حیثیت سے کرنا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے۔ کہ پہلے وہ اسدؔ تخلص کرتے تھے جب ایک اور شاعر اسدؔ کا یہ شعر سنا ؎

اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی ۔۔۔ مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

تو اسد تخلص ترک کر کے غالبؔ تخلص اختیار کیا۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

غالب کا نام اسد اللہ خاں اور عرفیت مرزا نوشہ تھی۔ مغل بادشاہ کی طرف سے نجم الدولہ دبیر الملک اور نظام جنگ کے خطابات عطا ہوئے تھے۔ ۱۷۹۶ء میں آگرے میں مرزا کی ولادت ہوئی۔ ان کا سلسلۂ نسب افراسیاب بادشاہِ توران تک پہنچتا ہے۔ ان کے دادا شاہ عالم کے زمانے میں ایران سے دہلی پہنچے۔ یہاں انھیں اعزاز واکرام سے نوازا گیا اور کچھ علاقہ بطور جاگیر عطا ہوا جو آگے چل کر ہاتھ سے نکل گیا۔

ان کے والد عبداللہ بیگ ملازمت کے سلسلے میں مختلف مقامات پر رہے۔ آخر کار راجہ بختاور سنگھ کے ملازم ہوئے۔ ۱۸۰۱ء میں کسی لڑائی میں مارے گئے اور چچا نے پرورش کی ذمہ داری قبول کی۔ یہ اکبر آباد کے صوبیدار تھے۔ مرزا صرف نو برس کے تھے کہ چچا کا انتقال ہوگیا۔ سرکار انگریزی کی طرف سے مرحوم کے وارثوں کی پنشن مقرر ہوئی جس میں سات سو روپے سالانہ مرزا کو بھی ملتا تھا۔ کچھ دنوں بہادر شاہ کے کلام پر بھی اصلاح دی۔ پچاس روپے ماہانہ یہاں سے بھی مقرر تھا۔ ۱۸۵۷ کا ہنگامہ ہوا تو انگریزی سلطنت نے مرزا کو باغیوں میں شمار کر کے پنشن بند کر دی۔ مغل سلطنت کا تو خاتمہ ہو ہی چکا تھا۔ مرزا کی گزر مشکل ہوگئی۔ سو روپے مہینہ نواب رامپور کی سرکار سے ملتا تھا۔ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد غالبؔ اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے اور انگریزی سرکار سے پنشن بحال ہوگئی۔ غالبؔ کو اپنے حسب نسب اور اپنے شاعرانہ رتبے دونوں پر ناز تھا۔ وہ شاہانہ زندگی گزارنے کے خواہش مند تھے مگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ ۱۸۶۹ء میں وفات پائی۔ اس وقت تہتر برس کے تھے۔

غالبؔ نے شعر کہنا تو اسی وقت شروع کر دیا تھا جب وہ آگرے میں تھے لیکن اس

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

وقت تک ان کی شاعری میں فارسیت کا غلبہ تھا۔ دہلی آنے پر بھی یہی انداز رہا۔ لوگوں کو غالبؔ کی اس روش پر بہت شکایت تھی۔ آخر کار خود غالب کو اس کا احساس ہوا اور انھوں نے اپنا رنگ سخن بدلنے کی کوشش کی۔ چنانچہ یہ مشکل گوئی رفتہ رفتہ ان کے کلام سے دور ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ سادہ وسہل زبان میں شعر کہنے لگے۔

غالبؔ کے شعر صرف اسی لیے مشکل نہیں ہوتے کہ ان میں فارسی الفاظ کی کثرت ہے۔ بلکہ اس کا ایک سبب اور بھی ہے۔ ان کا تخیل بہت بلند ہے۔ خیال کی پرواز کبھی اتنی اونچی ہو جاتی ہے کہ شعر پہیلی بن جاتا ہے۔ اس لیے بعض شعر تو لوگوں کی سمجھ میں اس وقت آئے جب شاعر نے خود ان کا مطلب بیان کیا۔

تہ داری بھی غالبؔ کے کلام کی ایک اہم صفت ہے۔ یعنی پہلے نظر میں شعر کا ایک مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ غور کیجیے تو اس کی تہ سے دوسرے معنی نکلتے ہیں۔ اس تہ داری نے بھی ان کے کلام کو مشکل بنایا۔ گوے تین چیزیں ہیں جن کے سبب غالبؔ کا کلام کبھی کبھی ہماری سمجھ سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا یہ ہیں:۔ (۱) فارسیت کا غلبہ یعنی مشکل فارسی الفاظ کا استعمال (۲) تخیل کی بلند پروازی اور (۳) تہ داری۔

غالبؔ کی اس مشکل گوئی کی لوگوں کو شکایت ہوئی اور کہا گیا کہ ع

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے

غالب ان اعتراضات پر جھنجھلاتے تھے۔ ایک بار غصے میں یہاں تک کہہ دیا ؎

مشکل ہے زبس کہ کلام میرا، اے دِل
سن سن کے جسے سخنورانِ کامل

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

جب غالبؔ کے شعروں کو مہمل کہا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔

نہ ستایش کی تمنا، نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

لیکن یہ ردعمل وقتی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سہل گوئی کی طرف آئے یہاں تک کہ انھوں نے اپنے کلام کا ایک انتخاب تیار کیا اور باقی کو منسوخ کر دیا لیکن یہ منسوخ کلام ضائع ہونے سے بچ گیا اور آج بھی موجود ہے۔

غالبؔ کسی کے نقشِ قدم پر چلنا گوارا نہیں کرتے۔ انھوں نے اپنا راستہ آپ نکالا اور سب سے الگ نکالا۔ ایک فارسی شعر میں انھوں نے کہا ہے کہ دوسروں کے پیچھے چلنے سے آدمی اپنی منزل کھو دیتا ہے۔ اس لیے جس راستے سے کارواں گزرا ہے۔ میں اس راستے پر چلنا پسند نہیں کرتا۔ اپنا راستی الگ نکالنے کی خواہش نے بھی غالبؔ کے کلام کو پیچیدہ بنایا۔

شوخی وظرافت بھی غالبؔ کے کلام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ وہ ایک ہنس مکھ انسان تھے اور اپنی دِلچسپ باتوں سے دوسروں کو بھی خوش رُکھنا چاہتے تھے۔ ان کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کیجیے، ان کے خطوط پڑھیے یا ان کے دیوان کی ورق گردانی کیجیے، انکی پُرلطف باتیں، ان کے دِلچسپ لطیفے، چٹکلے قدم قدم پر آپ کو اپنی طرف متوجہ کریں گے۔ وہ ہر ایک سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔ نہ زاہد کو بخشتے ہیں، نہ جنت، دوزخ اور فرشتوں کو

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

چھوڑتے ہیں، نہ محبوب کو معاف کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ خود اپنا مذاق اُڑانے سے بھی نہیں چوکتے۔ دیکھیے ؎

زاہد نہ تم پیو، نہ کسی کو پلا سکو — کیا بات ہے تمھاری شرابِ طہور کی

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں ایسی جنت کا کیا کرے کوئی ؟

؎ وہ لحد پہ بوئے مے تھی کہ نہ آسکے فرشتے
میں عذاب میں پھنسا تھا جو نہ بادہ خوار ہوتا

؎ آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لے کے رہ گئے
صاحب کو دِل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

؎ چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسدؔ
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

غالبؔ کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں غور وفکر کا انداز پایا جاتا ہے۔ جگہ جگہ احساس ہوتا ہے کہ وہ کچھ سوچ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں جابجا سوال ملتے ہیں۔ وہ فلسفی نہیں مگر ان کا انداز فلسفیانہ ہے۔ غالب مفکر نہیں مگر نظر حکیمانہ ہے۔ اسی لیے پروفیسر آل احمد سرورؔ نے فرمایا ہے کہ غالبؔ نے اُردو شاعری کو ذہن دیا۔ ذرا یہ انداز دیکھیے ؎

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟ — غمزہ وعشوہ وادا کیا ہے؟

غالبؔ اُردو کے بہت بڑے شاعر ہیں اور بلاشبہ وہ اپنے عہد کی آواز ہیں۔ ان

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کے کلام کی مقبولیت کسی دور میں کم نہیں ہوئی اور یقین ہے کہ ان کے پرستاروں کا دائرہ آئندہ اور بڑھے گا اور اب ملاحظہ فرمایئے ان کے چند اشعار ؎

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

حسرتؔ موہانی

سید فضل الحسن نام: حسرتؔ تخلص: موہان (ضلع اُناؤ) وطن تھا۔ اس مناسبت سے حسرتؔ موہانی کہلائے۔ موہان ہی میں ۱۸۸۱ء میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ مزید تعلیم کے لیے علی گڑھ آئے اور یہیں سے بی۔ اے کیا۔ شعر و ادب کے علاوہ سیاست کی طرف بھی مائل ہوئے۔ علی گڑھ کی مقامی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ یونیورسٹی انتظامیہ عموماً ان سے ناخوش ہی رہی اور وہ بار بار معتوب ہوئے۔

حسرتؔ نے تسلیم کی شاگردی اختیار کی۔ وہ نسیم دہلوی کے اور نسیم دہلوی مومنؔ کے شاگرد تھے۔ حسرتؔ کو اس سلسلۂ تلمذ پر ہمیشہ ناز رہا۔ ملاحظہ ہوں یہ اشعار ؎

حسرتؔ تری شگفتہ کلامی پہ آفریں — یاد آ گئیں نسیم کی رنگیں بیانیاں

حسرتؔ یہ وہ غزل ہے جسے سن کے سب کہیں
مومنؔ سے اپنے رنگ کو تو نے ملا دیا

ان کی زندگی کے دو رخ ہیں ایک شاعر و ادیب کا کہ نہایت اہتمام سے شعر کہتے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

ہیں۔ نکاتِ سخن لکھ کر اُردو ادب کی خدمت کرتے ہیں۔ پابندی سے رسالہ نکالتے ہیں۔ دوسری طرف سیاست سے کسی طرح کنارہ کش نہیں ہوتے۔ مزاج میں بے باکی اور صاف گوئی ہے۔ اس لیے خلافت کانفرنس ہو، کانگریس ہو یا مسلم لیگ کوئی انھیں برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ بہرحال وہ اپنی راہ چلتے رہے۔ مکمل آزادی کا ریزولیشن پیش کرنے والا یہی علی گڑھ کا مردِ مجاہد تھا۔ آزادی کے بعد جنگ آزادی کے اس نڈر سپاہی کی کھری کھری باتیں ان کی اپنی حکومت کو بھی ناگوار گزرتی تھیں۔ حسرتؔ نے ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو وفات پایا۔

حسرتؔ نے نظمیں بھی کہیں مگر اصلاً وہ غزل کے شاعر تھے۔ جب انھوں نے شاعری کا آغاز کیا تو اُردو غزل کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ حالیؔ نے غزل پر سخت اعتراض کیے اور غزل کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ حسرتؔ نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی مگر آخر کار طبعیت اسی مطعون صنفِ سخن یعنی غزل پر ٹھہری۔ انھوں نے برملا اعلان کیا۔ ''راقم الحروف کی طبعیت نے اپنے لیے اصنافِ سخن میں غزل کو اپنے حسبِ حال پا کر منتخب کرلیا''۔ ان کا یک شعر سُنیے۔

لکھتا ہوں مرثیہ نہ قصیدہ نہ مثنوی حسرتؔ غزل ہے صرف مری جانِ عاشقاں

حسرتؔ کا مطالعہ وسیع تھا۔ اُردو اور اُردو کے علاوہ فارسی شعرا کا کلام کا انھوں نے تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ ان کے کلام میں اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے مگر ان کی آواز صاف پہچانی جاتی ہے وہ حسن پرست بھی ہیں اور عاشق مزاج بھی۔ ان کا عشق خالص عشق مجازی ہے جس مین کسی حد تک ہوسنا کی بھی شامل ہے۔

مومنؔ کی غزل کی طرح کلامِ حسرت میں بھی عشق کی ساری کیفیتیں اور حسن کے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

سارے روپ نظر آتے ہیں۔ حسرت نے سیاسی شاعری بھی کی لیکن فکر، فلسفہ، پیغام جیسی چیزیں ان کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ وہ اپنی شاعری کے لیے صرف ایک پہلو اور سب سے جاندار پہلو کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور وہ ہے عشق۔ اسے وہ ہر زاویے اور ہر پہلو سے پیش کرتے ہیں۔ اس کی تمام کیفیتوں کا مزہ لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اس معاملے میں کبھی کبھی وہ جرات کے نزدیک پہنچ جاتے ہیں لیکن سنبھل جاتے ہیں اور ابتذال وُرکاکت سے دامن بچا لیتے ہیں۔

حسرتؔ کی حسن پرستی صرف کسی چہرے تک محدود نہیں، خوبصورت لفظوں، دِلکش ترکیبوں اور مترنم بحروں کو ایک عاشق کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انھیں اپنے شعروں میں سمو لیتے ہیں۔ درست کہا گیا ہے کہ مومنؔ و نسیمؔ کے گرویدہ تھے۔ تو اس لیے کہ ان کی شیریں کلامی اور رنگین بیانی انھیں بہت بھاتی تھی۔ اور اب ملاحظہ فرمایئے ان کے چند شعر ؎

تو ڑ کر عہد کرم نا آشنا ہو جایئے
بندہ پرور! جایئے، اچھا خفا ہو جایئے

دِل اور تہیہ، ترکِ خیال یار کرے
کسے یقین ہو، کون اس کا اعتبار کرے

بھُلا تا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد ہیں — الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیوں کر یاد آتے ہیں

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہار حسن — آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

شاد عظیم آبادی

سید علی محمد نام، شادؔ تخلص، ۱۸۴۶ء میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد الہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

آباد سے ترکِ سکونت کر کے عظیم آباد میں آ بسے تھے۔ علی محمد کی تعلیم کا آغاز بہت کم عمری سے ہوا۔ رواج کے مطابق یہ کام مالولوں کو سونپا گیا لیکن ان کی اصل تربیت میر سید محمد نے کی جو مسلّم عالم تھے۔ شعر کہنے لگے تو مختلف استادوں سے اصلاح لی لیکن آخر کار شاہ الفت حسین فریادؔ شاگرد خواجہ میر دردؔ کی شاگردی اختیار کر لی۔ انھوں نے اعلیٰ درجے کی شاعری کی۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے متعدد علمی تصانیف یادگار چھوڑیں جن کے صلے میں حکومت نے خان بہادر خطاب دیا اور ہزار روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ ۱۹۲۷ء میں وفات پائی۔

شادؔ نے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کا مطالعہ بھی کیا تھا جس سے ان کی نظر میں وسعت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کے کلام میں بے شک فکر وفلسفہ موجود نہیں مگر ان کے یہاں ایک طرح کی تازگی ہے۔ پامال مضامین سے وہ دامن بچاتے ہیں اور بیش قیمت شعری تجربات دِلکش انداز میں پیش کر دیتے ہیں۔ ناقدین کا یہ خیال درست ہے کہ میرؔ کے سادہ و بے ساختہ اندازِ بیاں میں آتش کی رنگینی بیاں کی آمیزش کر دی جائے تو شادؔ کا اسلوب وجود میں آجاتا ہے۔ اخلاق، فلسفہ، تصوف اور توحید کے عناصر ان کے کلام میں نمایاں ہیں۔

غزل کے علاوہ شادؔ نے مرثیے کی طرف بھی توجہ کی اور انیسؔ کا اتباع کیا۔ شادؔ کی غزلوں کا دیوان ''نغمۂ الہام'' کے نام سے شائع ہوا۔ بطور نمونہ ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو خود بڑھ کر اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم، اے ہم نفسو! خواب ہیں ہم

مرغانِ چمن کو پھولوں سے اے شادؔ کہلا بھیجا ہے
آجاؤ جو تم کو آنا ہو، ایسے میں بھی شاداب ہیں ہم

فراق گورکھپوری

رگھوپتی سہائے نام، فراق تخلص، گورکھپوری وطن۔ وہیں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ گھر پر ہی اُردو سیکھنے سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ والد منشی گورکھ پرشاد ایک تعلیم یافتہ شخص تھے۔ وکالت ان کا پیشہ تھا۔ شعر بھی کہتے تھے اور عبرتؔ تخلص کرتے تھے۔ بیٹے کو تعلیم کے معاملے میں ان کی رہنمائی حاصل رہی۔ اس کے علاوہ شعری ذوق بھی انہی سے ملا۔ سات برس کی عمر میں جدید تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکول میں داخل کر دیے گئے۔ ذہین اور محنتی تھے اس لیے نمایاں طور پر کامیابی حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے الہ آباد آئے اور میور سنٹرل کالج میں داخلہ لے لیا۔

اس زمانے میں پروفیسر ناصری بھی اسی کالج میں فارسی عربی کے پروفیسر تھے۔ شعر و شاعری سے انھیں بہت دِلچسپی تھی۔ انھوں نے کالج میں مشاعروں کو رواج دے کر اُردو اور اُردو شاعری کا ذوق پیدا کیا۔ الہ آباد کا یہ ماحول رگھوپتی سہائے جیسے ذہین اور ذی علم نوجوان پر اثر انداز ہوا۔ وہ شعر کہنے لگے۔ فراقؔ تخلص اختیار کیا۔ پروفیسر ناصری سے ہی کلام پر اصلاح لی۔ بعد میں وسیمؔ خیر آبادی کو اپنا کلام دکھانے لگے۔

بی۔ اے۔ کرنے کے بعد حکومت نے ڈپٹی کلکٹر کی جگہ کے لیے فراقؔ کو منتخب کر لیا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

لیکن انھوں نے یہ ملازمت قبول نہیں کی بلکہ تحریک آزادی میں شریک ہو گئے جس کی پاداش مین جیل بھیجے گئے۔ جیل میں عارف ہنسوی، حکیم آشفتہ، مولانا محمد، حسرت موہانی اور مولانا ابوالکلام جیسی ہستیوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ ۱۹۲۷ء میں رہائی کے بعد کرسچین کالج لکھنؤ میں لکچرر ہو گئے۔ کچھ عرصہ سناتن دھرم کالج کانپور میں اُردو پڑھائی۔ اس دوران انگریزی میں ایم۔اے۔ کرلیا اور الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے استاد ہو گئے۔

فراقؔ کو بڑے بڑے اعزازات سے نوازا گیا۔ انھیں گیان پیٹھ ایوارڈ بھی عطا کیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں وفات پائی۔

فراقؔ اُردو کے تاثراتی نقاد بھی ہیں اور ان کے تنقیدی مضامین اُردو ادب میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ روح کائنات، مشعل، روپ، شبستان، گلِ نغمہ ان کے شعری مجموعے ہیں۔

فراقؔ نے غزل، نظم، رباعی سبھی کچھ کہا۔ ان کی رباعیاں بے حد دِلکش اور ہمارے ادب میں بہت مقبول ہیں۔ فراقؔ کی غزل نے اُردو غزل کو بہت متاثر کیا۔ وہ ایک اچھوتے اور منفرد لہجے کے ساتھ غزل کی دنیا میں داخل ہوئے۔ بعض ناقدروں کا خیال تھا کہ یہ لہجہ ہماری شاعری کے مزاج سے میل نہیں کھاتا اس لیے زیادہ دنوں زندہ نہ رہ سکے گا لیکن فراقؔ نے دھیرے دھیرے اپنی جگہ بنائی اوت آخر کار غزل کی دُنیا پر چھا گئے۔

فراقؔ مصحفیؔ کے بہت دِلدادہ ہیں۔ چنانچہ ان کے کلام میں بھی لہجے کی گھلاوٹ اور عشق کی زم زم کیفیتیں ملتی ہیں۔ مگر مصحفیؔ کے علاوہ انھوں نے میر، ذوق، داغ اور ناسخؔ کا اثر بھی قبول کیا۔ دوسری طرف کالی داس، ٹیگور، سورداس، بہاری اور کبیر بلکہ شبلی، کیٹس اور

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ورڈز ورتھ سے بھی کسبِ فیض کیا لیکن فراقؔ کی آواز ان کی اپنی آواز ہے اور دور سے پہچانی جاتی ہے۔ اس منفرد اور اچھوتی آواز تک پہنچنے کے لیے انھوں نے برسوں محنت کی۔ خود ان کے الفاظ میں ع

میں نے اس آواز کو مر مر کے پالا ہے فراقؔ

دراصل فراقؔ نے انگریزی ادب کو نہ صرف پڑھا بلکہ ساری زندگی پڑھایا بھی۔ انگریزی کے وسیلے سے انھوں نے مغربی ادب کا برپور مطالعہ کیا۔ ہندو دیو مالا ان کے رگ دپے میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ ہندی اور سنسکرت ادب سے انھیں گہری واقفیت تھی۔ اتنی بہت سی چیزیں تھیں جو فراق کی شعری شخصیت میں گھل مل گئی ہیں۔ اور کلام فراق میں جا بجا ان کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہی وہ سرچشمے ہیں جن سے بیش قیمت شعری تجربات پھوٹ بہے ہیں۔

فراقؔ کی شاعری کا لب ولہجہ ''سکون، نرمی اور ٹھنڈک سے صاف پہچان لیا جاتا ہے۔ وہ اپنے اچھتے تجربات کے لیے لہلہاہٹیں، رسمساہٹیں، ملگجاہٹیں جیسے الفاظ وضع کرتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق کبھی کبھی وہ لیرؔ کی زبان (گزاریاں، واریاں، جوگوہو، بھوگوہو) بھی استعمال کرتے ہیں۔ ہندو دیو مالا سے انھوں نے اپنی غزل کو ایک خاص دِلکشی بخشی ہے۔ اسی سلسلے میں وہ ہندی کے نرم اور شیریں الفاظ بھی بڑے سلیقے سے استعمال کرتے ہیں۔''

نمونۂ کلام کے طور پر ملاحظہ ہوں فراقؔ کے چند اشعار ؎

طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پہروں پہروں تک یہ دنیا بھولا سپنا بن جائے ہے
میں تو سراسر کھو جاؤں ہوں ، یاد اتنا کیوں آؤ ہو
فضا تبسّم صبحِ بہار تھی لیکن
پہنچ کے منزلِ جاناں پہ آنکھ بھر آئی

اُردو املا۔ ابتدا اور ارتقا

اُردو املا کے سلسلہ میں مختلف ماہرین لسانیات نے وقتاً فوقتاً صحت املا کے اہم مسئلے کی طرف توجہ کی۔ لیکن ہوا یہ ایک تو جستہ جستہ باتیں کہی گئیں۔ دوسرے اُس کے ساتھ ایسی تجاویز کو بھی منسلک کر دیا گیا۔ جو نا قابلِ قبول تھیں۔ تیسرے اصلاح املا کی بحث رسمِ خط میں اُلجھ کر رہ گئی۔ اور چوتھے ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے تفصیل کے ساتھ اس کے سارے تعلقات کا احاطہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لیے املا کی خرابیوں کا اندازہ لگایا جا سکا۔ اور نہ ہی اس کی اصلاح کے لیے مناسب اقدام اُٹھائے گئے۔ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے قائم ہو جانے کے بعد مستشرقین اُردو کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا قیام عمل میں آیا۔ کالج کے قیام سے پہلے بھی اور بعد میں بھی جب اُردو قواعد اور اُردو لغات کی کتابیں لکھی جانے لگیں۔ تو اُردو رسمِ خط کے مطابق اُردو املا پر بھی توجہ دی جانے لگی۔ جان گل کرائسٹ ، جان جوشوا کیٹلر ، جوزف ٹیلر ، تھامس روک بک ، جان شکسپیئر ، جان پلیٹس اور ایس۔ ڈبلیو فیلن۔ اُن چند مستشرقین میں ہیں۔ جن کی اُردو صرف نحو اور اُردو لغات کی کتابوں میں اُردو املا سے باخبری کا گہرا احساس پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ اُردو املا کی طرف پہلا قدم تھا۔ بیسویں صدی کی پہلی دہائی یعنی 1905ء میں مولانا احسن

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مارہروی نے داغ دہلوی کی یاد میں جاری کیے گئیے رسالہ ''فصیح الملک'' میں اُردو املا کے بعض اہم نکات کی طرف توجّہ دِلائی۔ اور نعض اہم تجاویز پیش کی تھیں۔ یہ تجاویز ناتمام اور مختصر سہی مگر نہایت اہم ہیں۔

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں اُردو ادب کے قدیم سرماے کی تلاش و تحقیق کا کام شروع ہوا۔ مولوی عبدالحق کی زیرِ نگرانی انجمن ترقی اُردو سے قدیم تزکرے، دواوین اور کلّیات مرتب ہو کر شائع ہونے لگے۔ تو صحتِ املا کا خیال ذہنوں میں آیا۔ مولوی عبدالحق نے قواعد اُردو لکھی۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں فرہنگ از سیّد احمد دہلوی، نور الغات از نور رالحسن کاکوروی اور جامع الغات از مولوی فیروز الدین تین خاص اُردو لغات مظرِ عام پر آئے۔ لیکن سائنسی نقطہ نظر کے فُقدان کی وجہ سے ان میں املا کے مسائل پر توجّہ نہیں دی جا سکی۔ جس کی وجہ سے املا کی تصیح کے سلسلہ میں کوئی کام نہیں ہوا۔

بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں تحریک آزادی کی رفتار تیز ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی قومی زبان کا مسئلہ سامنے آیا۔ تو یہ تحریک بھی خاصی اہمیت اختیار کر گئی کہ ہندوستان کی قومی زبان ''ہندوستانی'' ہونی چاہیئے۔ مہاتما گاندھی پہلے ہی یہ اعلان کر چُکے تھے کہ ''ہندوستانی'' کے لیے دیوناگری اور اُردو کے لیے دونوں لپیوں (رومن۔ دیوناگری) کو اپنایا جائے گا۔ اُردو میں اس کا اظہار دو طرح سے ہوا۔

اوّل یہ کہ اُردو رسم الخط کو خالص صوتی بنیادوں پر سادہ اور سہل بایا جائے۔

دوسرے یہ کہ رسم الخط جیسا ہے۔ اس کی مدافعت کی جائے۔

اُردو رسم لخط کی ان بحثوں میں ڈاکٹر عبدالسّتار صدیقی کی عملی اور لسانی شخصیت

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُبھر کر سامنے آئی، جنھوں نے اپنے آپ کو اُردو املا کے لیے وقف کر دیا۔ اُنھوں نے اپنی تحریروں، تبصروں، خطوں اور ضامین کے زریعہ اُردو املا کے بارے میں برتی جانے والی بے توجّہی اور بے حسی کو بے نقاب کیا۔ اُنھوں نے اس موضوع کا ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے مطالعہ کیا۔ املا کے مسائل پر خود بھی لکھا اور دوسروں کو بھی اس کی طرف توجہ دِلائی املا کے مسائل پر عالمانہ نظر ڈال کے اصلاحی تجاویز پیش کیں۔

انجمن ترقی اُردو نے 1943ء میں اصلاحِ رسم خط کمیٹی مقرر کی۔ مولوی عبدالحق کی دعوت پر کمیٹی کا اجلاس 22، مارچ 1943ء کو سید ہاشمی آفریدی کی ابتدائی تجاویز پر غور کرنے کے لیے انجمن کے دفتر واقع دریا گنج، دہلی میں منعقد ہوا۔ جس میں مولوی عبدالحق، سید ہاشمی آفریدی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، برج موہن، دتاتریہ کیفی اور وہاج الدین کنشوری نے شرکت کی۔ اس کمیٹی کی تجاویز کو ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے مرتب کیا۔ جو 16 ستمبر 1943ء کو اخبار ''ہماری زبان'' میں شایع کی گئیں۔ یہ تجاویز 21 جنوری 1944ء کو ''کُل ہند اُردو کانفرنس'' کے ناگ پور کے اجلاس میں رسمِ خط کی ذیلی کمیٹی میں پیش کی گئیں۔ یہ تجاویز غور وخوض کے بعد ترمیم واضافے کے لیے منظور کر لی گئیں۔ اور جنوری 1944ء کے رسالہ اُردو میں شائع کی گئیں۔ اصلاحِ رسم خط کمیٹی کی ان سفارشات پر انجمن ترقی اُردو سے شائع ہونے والی کتابوں اور رسالوں میں عمل ہونا شروع ہی ہوا تھا کہ برصغیر کی تقسیم ہوگئی۔ جس سے اُردو املا کی معیار بندی کی کوششوں پر اوس پڑ گئی۔ تاہم ڈاکٹر سیّد عابد حسین، سیّد مسعود حسن رضوی، امتیاز علی عرشی، مالک رام اور قاضی عبدِل لودود جیسے سرکردہ محققین کی صحت املا کے التزام پر نظر رہی۔ لیکن ان کوششوں کے باوجود املا طرح طرح کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بے اعتدالیوں اور بے قاعدگیوں کا شکار رہی۔ اور اصلاحی کام نہ ہو سکا۔

دراصل جب زبان اور رسم الخط کی زندگی خطرے میں ہو تو اس کے چاہنے والوں کے دِلوں میں اس کی حفاظت کا جذبہ پیدا ہونا فطری بات ہے۔ لہٰذا مختلف محققین اور ماہرین لسانیات نے اُردو املا کی طرف توجہ کی۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان نے اپنی تحریروں میں کئی ضروری امور کی طرف توجہ دِلائی اور امل کی معیار بندی پر زور دیا۔ سجاد مرزا اور ہارون خان شیروانی نے اُردو ٹائپ کے لیے جو کوشش کیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اُن میں املا کے نکات بھی زیر بحث آئے۔ غلام رسول نے ''اُردو املا'' کے نام سے ایک کتابچہ 1960ء میں حیدر آباد سے شائع کیا۔ عبدالغفار مدہولی نے اپنے تدریسی تجربوں کی بنا پر اُردو املا کا آسان طریقہ رائج کرنے کے لیے متعدد تحریریں شائع کیں۔ اور اسی نام سے 1963ء میں دہلی سے اُن کا کتابچہ بھی شائع ہوا۔ اُسی زمانے میں احتشام حسین اور آل احمد سرور نے بھی املا میں بعض اصلاحات کے لیے ذہنی فضا تیار کرنے میں مدد دی۔ ڈاکٹر گیان چند جین اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنے مضامین میں اُردو میں صحت املا کے لیے جامع سائنسی اُصولوں کو اپنانے کی اہمیت پر زور دیا۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری اور حیات اللہ انصاری نے بھی املا کے مسائل اور اصلاح پر خصوصی توجہ دی۔ رشید حسن خان نے املا کے مسائل پر مدتوں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی سے خط و کتابت کی۔ اُن کے انتقال کے بعد بھی وہ اس بارے میں برابر غور و فکر کرتے رہے۔ اُنھوں نے املا کو ایک باقاعدہ موضوع کی حیثیت سے اپنایا اور ''اُردو املا'' اور ''زبان اور ترقی اُردو بورڈ نے 1973ء میں ڈاکٹر سیّد عابد حسین کی صدارت میں املا کمیٹی مقرر کی۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور رشید حسن خان اس کمیٹی کے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ممبر مقرر ہوئے۔ کمیٹی کی متعدد نشستوں میں املا کی مجوزہ اصلاحات اور دوسرے مسائل پر غور وخوص ہوا اور بنیادی اُصول طے کئے گئے۔ اُن کے مطابق کمیٹی نے اصلاح املا کے لیے اپنی متفقہ سفارشات پیش کیں۔ جن میں سے زیادہ تر اصلاحات کو مان لیا گیا اور اُن پر عمل ہو رہا ہے۔ وہ اصلاحات جو انقلابی تبدیلیوں پر مبنی تھیں اُن کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

اُردو املا کے ارتقا میں رشید حسن خاں کی حصّہ داری

اُردو املا کی اصلاح کی طرف جن حضرات نے توجہ کی، اُن میں رشید حسن خان کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ جنھوں نے اُردو املا پر قابلِ قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ دراصل ڈاکٹر عبدالستّار صدیقی کے اُردو املا کے بارے میں لکھے گئے مضامین اور کاوشوں سے متاثر ہو کر رشید حسن خاں نے اُردو املا کے مسائل اور صحت املا پر قلم اُٹھایا۔ 1960ء کے اوائل میں اُنھوں نے طے کیا کہ اس موضوع کی طرف باقاعدہ توجہ دی جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اُنھوں نے اُن رسالوں اور کتابوں کا مطالعہ کیا، جن میں املا کے مسائل اور اصلاح کے بارے میں لکھا گیا تھا۔ مطالعہ کے دوران اُن کو یہ اندازہ ہوا کہ موضوع وسیع ہے۔ اور قاعدوں کے مرتب نہ ہونے کی وجہ سے غلط نویسی جس قدر پھیل چکی ہے۔ اُس کا احاطہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔

سب سے پہلے اُنھوں نے انجمن ترقی اُردو کی اُن اصلاحِ املا کی تجاویز کو سامنے رکھا، جو 1944ء کے رسالہ اُردو میں شائع ہوئی تھیں۔ دراصل یہ تجاویز 1943ء میں مقرر کی گئی اصلاحِ املا کمیٹی کی رپورٹ تھی۔ ان تجاویز ہی کو رشید حسن خان نے اپنے کام کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

بنیاد بنایا۔ حالانکہ یہ تجاویز مختصر اور ناتمام تھیں تاہم ان تجاویز کی حیثیت بنیادی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے ڈاکٹر عبدِ ل الستار صدیقی کی مختلف تحریروں کو جمع کیا۔ اس طرح ابتدائی کام کا خاکا تیار ہو گیا۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے دسمبر 1960ء میں ڈاکٹر عبدِ ل الستار صدیقی کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ جس کا ڈاکٹر صدیقی نے تفصیلی جواب لکھا۔ اس سے رشید حسن خان کی حوصلہ افزائی ہوئی، اُس کے بعد کئی بار بہت سے سوالات لکھ کر ڈاکٹر صدیقی کی خدمت میں بھیجے۔ اُنھوں نے تمام معلومات تفصیل سے جوابات کے زریعہ دیں۔ اس سے رشید حسن خان کی ہمت بندھی اُنھوں نے املا کے مسائل اور صحت املا کے لیے دِلچسپی سے کام کیا۔

قاضی عبدالودود کے قلم سے لکھی ہوئی ایک طویل تحریر کو رشید حسن خان نے بار بار پڑھا اور اُس سے بہت سی رہنمائی حاصل کی۔ مختلف الفاظ کے طرز نگارش اور رموزِ اوقات کو غور سے دیکھا اور سمجھا۔ اس کے علاوہ ''املای فارسی'' کے عنوان سے ایک مقالہ کا مطالعہ کیا۔ جس سے فارسی املا کے بہت سے مسائل کو سمجھنے میں مدد ملی۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی کے دو مقالوں کا بھی اُنھوں نے مطالعہ کیا۔ یہ دونوں مقالے املا کے کئی اہم مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان سے بھی رشید حسن خاں نے استفادہ کیا۔ اُنھوں نے یہ کوشش کی کہ جہاں تک نظر اور معلومات ساتھ دیں۔ املا کے مسائل کا احاطہ کیا جائے۔ انتشار اور دورنگی کو ختم کیا جائے قاعدے مرتب کئے جائیں۔ اور ان ہی کی روشنی میں املا کا معیار قائل کیا جائے اس سلسلے میں اُنھوں نے مختلف اہم لغات کے اندراجات کو بھی پیشِ نظر رُکھا۔ ان کے علاوہ متعدد اساتذہ کے مکاتب رسائل، اور قواعد صرف ونحو کی بعض کتابوں سے بھی استفادہ کیا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

گیا۔ رشید حسن خاں صاحب نے طریقہ یہ اختیار کیا کہ:۔

مختلف مسائل کو حروفِ تہجی کے تحت منضبط کیا آخر میں ضروری الفاظ پر مشتمل ایک فہرست حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق بھی شامل کر دی۔ حروف کے بعد دوسرے ضروری مسائل کو مختلف عنوانات کے تحت لکھا اس طرح اُنھوں نے ''اُردو املا'' کے نام سے ایک مربوط کتاب شائع کی۔ جس میں املا کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ نقطہ دار حروف پر نقطوں کے مناسب جگہ پر لگانے کی نشاندہی کی گئی ہے حرفوں کے جوڑنے کا طریقہ، ترکیب سابق، ترکیب لاحق اور ترکیب طرفین کی صورت میں تفصیل سے واضح کیا ہے۔ حرفوں کی مختلف ترکیبی صورتیں بتائی ہیں۔ مختلف حرفوں کی تختیاں لکھنے کا ڈھنگ بتایا ہے۔ اُن الفاظ کی نشاندہی کی ہے جن کے آخر میں غلطی سے ہائے مختفی لکھنے کا رواج ہے۔ حالانکہ اُن کے آخر میں الف لگایا جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے الفاظ کے آخر میں ہائے مخفی لکھی جانی چاہئے۔ جبکہ اُردو، ہندی اور انگریزی الفاظ کے آخر میں الف لکھا جانا چاہئے۔ مثلاً:۔ آریا، دتا، خاکا، خرچا، راجا وغیرہ اس کے علاوہ حروفِ شمسی اور حروفِ قمری کے لکھنے اور پڑھنے کے طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ہائے مختفی اور یے کہ لکھنے اور استعمال کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ ہمزہ اور الف، ہمزہ اور واؤ، ہمزہ اور ی، وغیرہ کے استعمال اور طریق تحریر کی وضاحت کی ہے۔ اعراب اور موزِ اوقات کے استعمال کا طریقی اور لکھنے کا ڈھنگ واضح کیا ہے۔ رشید حسن خان صاحب کے دوسری اہم تصنیف ''زبان اور قواعد'' ہے۔ جس میں اُنھوں نے صحتِ الفاظ، لغت اور اُس کے استعمال، ترکیبِ مسند، سقوطِ حروفِ علت اور اعلانِ نون کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہیں۔ اُردو املا اور صحتِ الفاظ کے سلسلہ میں اُنھوں نے نہایت اہم قاعدے مرتب کئے ہیں۔

کرداری مقاصد

کرداری مقاصد سے مراد ہے، زیرِ تربیت اساتذہ کی ذہنی، روحانی اور جسمانی نشوونما۔ ذہنی، روحانی اور جسمانی نشوونما اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ تربیت حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے تعلیمی اداروں میں جا کر خوش اسلوبی سے فرائض کی ادائیگی کریں اور بچوں کو ایک مکمل انسان بنا سکیں۔ بچوں کو بھرپور زندگی گزارنے کے قابل بنا سکیں۔ تعلیم کا مطلب ہے شخصیت کی ہمہ جہت نشوونما تعلیمی اداروں میں صرف لکھنے پڑھنے پر ہی زور نہیں دینا چاہئیے بلکہ ٹیچر کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ بچوں میں اچھے عادات پیدا کرنے کی کوشش کریں، اُن میں زندگی سے محبت کا جذبہ پیدا کرے، اُن میں صحت مند رویے پیدا کرے۔ یہ اُسی طور ممکن ہے جب اساتذہ کی طرف سے صحت مند نشوونما ہو۔ اُس کا کردار مثالی ہو اور اسباق کی تدریس کرتے وقت وہ محتاط رہے۔ وہ خود اچھی عادتوں کا مالک ہو اور بچوں کے سامنے کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اُن کی شخصیت اور مزاج پر بُرا اثر پڑے۔ چوں کہ بچوں میں نقالی کا جذبہ قوی اور تیز ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے ٹیچر کی ہر بات اور ہر ادا کی نقل کرنے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مدرس بچوں کے سامنے کوئی اچھا کام نہیں کرے گا تو بچے بھی اچھا کام نہیں کریں گے۔ اور بُری عادات کا شکار ہو سکتے ہیں۔ پھر بچے ملک اور قوم کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ اس لیے کرداری مقاصد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کرداری مقاصد کر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اُوپر ذکر

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab, Jammu

ہوا۔ کردادری مقاصد سے مراد ہے کہ تربیتی اداروں میں تعلیم پا رہے زیرِ تربیت اساتذہ کی ذہنی اور روحانی نشوونما۔ تاکہ وہ اپنی تربیت پانے کے بعد بچوں میں لکھنے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی اقداد پیدا کرسکیں۔ یہی تعلیم کا مقصد بھی ہے۔ اور نظامِ تعلیم میں کرداری مقاصد کا مدعا بھی۔

اُردو صرف زبان ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب وتمدن بھی ہے۔ اس زبان مین ادب و احترام کا جذبہ بھی ہے۔ اُردو میں تعلیم کے لیے واحد حاضر کے لیے جمع کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو میں دوسروں کے ادب و احترام کے جذبے کے ساتھ ساتھ زندگی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا درس بھی ملتا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ لشکری زبان تھی۔ لشکری زبان کا درجہ کسی عام زبان کو حاصل نہیں ہوتا۔ لشکری زبان صرف وہی زبان بن سکتی ہے جس میں ادبی شان، اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ جوش، طمطراق اور جاہ و جلال بھی ہو اس لحاظ سے اُردو زبان کا ایک خاص مقام ہے۔ کیونکہ اس میں ادبی شان کے ساتھ ساتھ جاہ وجلال بھی ہے۔ دِلوں کو مُسخر کر لینے کی قوت بھی ہے۔ اُردو زبان کی تدریس کے زریعہ سے بچوں میں بھی بڑوں کے ادب و احترام کا جذبہ آسانی سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اُنھیں ایک مکمل انسان بنایا جا سکتا ہے۔ اور اُن میں اعتماد کی کیفیت پیدا کی جا سکتی ہے۔ زیرِ تربیت استذہ کی ذہنی، اخلاقی، روحانی اور جسمانی نشوونما کا تعلق اُردو زبان کے جاہ وجلال اور ادبی شان سے گہرا ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو زبان کا اُستاد، بہتر طور پر بچوں کی تربیت کرسکتا ہے اور اُن کی روحانی اور اخلاقی نشوونما کرسکتا ہے۔

کرداری مقاصد کی بنیاد مندرجہ ذیل چار اصولوں پر ہے:۔

۱۔ قوتِ فکر

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

۲۔ قوتِ عمل

۳۔ قوتِ تاثر

۴۔ قوتِ ادراک

اسباق کی تدریس کے عمل کے دوران میں فطری طور پر بچوں میں قوتِ فکر، قوتِ عمل، قوتِ تاثر اور قوتِ ادراک کی خوبی پیدا کی جاسکتی ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اُس وقت خالی الزہن ہوتا ہے۔ اُس کا دماغ فرطاس اِبیض کے مانند ہوتا ہے۔ پھر جیسے جیسے پرورش پاتا ہے اور اُس کی جسمانی نشوونما ہوتی ہے تو وہ مختلف النوع تجربات حاصل کرتا ہے۔ پھر اسکول میں قدم رُکھتے ہی اُس کی نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔

قوتِ فکر

قوتِ فکر کے درج زیل چھ عناصر ہیں:-

۱۔احتساب ۲۔تحریک ۳۔ترتیب وترکیب ۴۔علم وواقفیت

۵۔ افہام وتفہیم ۶۔ تخیل وتجربہ

۱۔احتساب:۔ احتساب کے لغوی معنی جانچ پڑتال کرنا، حساب لگانا، تجربہ کرنا اور پرُکھ کرنے کے ہیں۔ نظام تعلیم میں احتساب کی بہت اہمیت ہے۔ ایک اچھے اُستاد کو چاہئے کہ وہ طلبہ میں اپنے اعمال کا حساب لینے کی عادت ڈال دے۔ یہ وہ جذبہ ہے کہ جس کے تحت بچے اپنے دن بھر کیے گئے کام اور کارکردگی کا تجزیہ کرتے ہیں۔ آیا اُنھوں نے کتنا پڑھا، کیا پڑھا اور موشر کتنا ثابت ہوا۔ احتساب کی اہمیت کو علامہ اقبال نے یوں ظاہر فرمایا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں میں اپنے عمل کا حساب

۲۔تحریک:۔ لفظ تحریک حرکت سے مشتق ہے۔ بچوں کو متحرک کرنا ایک اچھے اُستاد کا نمایاں کارنامہ ہے۔ بچے اُساتذہ کے پاس موم کی گڑیا ہوتے ہیں۔ وہ اُنھیں جدھر اور جیسے چاہیں نچا سکتے ہیں۔ یہ طالب علم ہی ہوتا ہے جو اُستاد کے کہنے پر آگ میں کود پڑتا ہے۔ اُستاد طلبہ کے سامنے ایک ماڈل ہوتا ہے۔ اس کا ہر فعل بچے کے سامنے خُدا کا فضل ہوتا ہے۔ اپنے مثبت کردار سے اُستاد کو چاہیئے کہ بچوں کو مثبت تحریک دے۔ اُن کی قوتِ ذہنی کو مثبت تحریک دے کر مثبت کام کرنے کی خواہش اُن میں پیدا کرے۔ بچے فطرتاً سُست بھی ہوتے ہیں۔ اُنھیں ہر مرحلے پر حرکت میں لانا ایک اُستاد کا فرض بنتا ہے۔ طلبہ جو ابتدائی درجوں میں ہوتے ہیں وہ اُستاد کے سامنے بے ڈول پتھروں کی مانند ہوتے ہیں۔ یہ اُستاد ہی ہوتا ہے جو اُن بے ڈول پتھروں کو تراش کو اُنھیں خوشنما صنم کے درجوں پر فائز کر لیتا ہے۔

۳۔ترتیب و ترکیب:۔ مدرس کا پیشہ چوں کہ ایک مشکل اور پیچیدہ پیشہ ہے اور یوں بھی ہر کام کرنے اور اُسے تکمیل پر پہنچانے سے پہلے مختلف تراکیب سوچنی پڑتی ہیں۔ ترکیب کے مرحلے سے گزر کر اُس کام کو کرنے کی ترتیب عمل میں لائی جاتی ہے۔ اور پھر ہی اُن مختلف تراکیب و ترتیبوں کی مدد سے ہم کسی بھی کام کی تکمیل تک پہنچ سکتے ہیں۔ درس و تدریس کا عمل جب اپنے تکمیلی مراحل کی طرف بڑھتا ہے تو اس سلسلے میں بھی مختلف تراکیب عمل میں لائی جاتی ہیں۔ ابتدائی، بنیادی اور پرائمری درجوں کے لیے جو سہولیات

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اور جو اصول عمل میں لائے جاتے ہیں وہ مڈل اور ثانوی سطح پر عمل میں نہیں لائے جاتے ان ہی اصولوں کو مختلف مراحل پر لاگو کرنے اور عمل میں لانے کو ترکیب کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو ایک مدرس کے لیے نہایت اہم ہے۔ بنا اس کے ایک مدرس اپنے پیشے سے کبھی بھی انصاف نہیں کرسکتا ہے۔

۴۔علم وواقفیت:۔ مدرس پر سماج اور ملک وقوم کی نظریں کڑی اور جمی ہوئی ہوتی ہے۔ مدرس کا پیشہ چونکہ بہت نازک اور لچک دار پیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے مدرس کو چاہے کہ وہ علم وحکمت اور تجربہ سے واقفیت رکھتا ہو۔ مدرس کا پیشہ چونکہ کرداروں کی تخلیق کا پیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے اُس کے لیے لازمی ہے کہ وہ علم وواقفیت میں ماہر ہو۔ کرداری مقاصد کی بنیاد تبھی ممکن ہے جب ایک اُستاد اپنے ذاتی کردار کو مثالی کردار بنا کر پیش کرتا ہو۔ اور ایک مثالی کردار مدرس تب ہی پیش کرسکتا ہے جب وہ اپنے پیشے میں علوم وفنون سے مکمل واقفیت رکھتا ہو۔

۵۔افہام وتفہیم:۔ کرداری مقاصد کے بنیادی پہلو قوت فکر کا نہایت اہم ترین جُز افہام وتفہیم ہے۔ افہام کا لفظی معنی ہے سمجھنا، منوانا اور تسلیم کروانا ہے۔ افہام وتفہیم کے بغیر درس وتدریس کا سلسلہ بالکل اپاہج ہے۔ مدرس کے سامنے ہر ہمیشہ نئی نئی سی مشکلات درپیش ہوتی ہیں جنھیں وہ افہام وتفہیم سے حل کرسکتا ہے۔ ایک اچھے مدرس کی پہچان یہ ہی ہوتی ہے کہ وہ ہر ایک معمے کو اپنی قوت فکر کے تحت پیدا شدہ صلاحیت قوت افہام وتفہیم کے ذریعہ حل کے لیتا ہے اور بچوں کو تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کردیتا ہے۔

۶۔تخیل وتجربہ:۔ تخیل ایک ایسی قوت ہے جو قدرے طلبہ میں پہلے سے موجود

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہوتی ہے۔ مدرس کا فرض بنتا ہے کہ وہ طلبہ کے سمندِ تخیل کو مثبت راہ پر گامزن کرے اور اُنھیں بہترین اور اخلاقی ادب پڑھنے کی طرف راغب کرے۔ آج کل دُنیا میں بہت سی کتابیں موجود ہیں ایسی بھی بہت سی ہیں جو فحش نگاری اور عریانی کو بڑھاوا دیتی ہیں۔ مدرس کا فرض اوّلاً یہ ہے کہ وہ بچوں میں اچھی عادات کے ساتھ ساتھ اُن کے تخیل کو مثبت رویّوں کی طرف راغب کرنے کے ساتھ ساتھ اُن میں تجزیہ کی قوت پیدا کرے۔ یہ آج کے طلبہ و بچے ہی ہوتے ہیں جو کل کے باپ اور ذمہ دارانِ قوم بن جاتے ہیں اس لیے اُن میں تجزیہ کی قوت کو پیدا کرنا لازمی امور میں شامل ہے۔ تاکہ طلبہ اپنی زندگی کو نکھار و سنوار سکیں۔

فکر کے اعتبار سے مندرجہ بالا وضاحت کیے گئے اجزاء درس و تدریس کے سلسلے میں نہایت ہی اہم ہیں۔ فکر کرنا اور سرگرم عمل رہنا انسان کی کامیابی کا راز ہے۔ قوتِ فکر ایک مثبت جذبہ سوچ ہے جس کی مدد سے ہم اپنے اردگرد و درپیش حل طلب سوالات کا حل ڈھونڈ سکتے ہیں۔ مدرس کو چاہئے کہ وہ خود بھی فکر کی لذت سے محروم کبھی نہ ہو اور یہ عادت بچوں میں بھی ڈالے اور اُنھیں ایسے سوالاے حل کرنے کے لیے دے جن میں اُن کی فکر و صلاحیت سرگرم عمل رہے۔ قوتِ فکر کا عنصر ایک اچھے اُستاد کے لیے لازمی امور میں شامل ہے کیوں کہ اُس کی شخصیت کا پرتو اُس کے طلبہ میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔

۲۔ قوتِ عمل

قوتِ عمل کے درج زیل چار عناصر ہیں:۔

۱۔ کردار ۲۔ سیرت سازی ۳۔ پیروی یا تقلید ۴۔ تنظیم

۱۔ کردار:۔ مدرس چونکہ معمارِ کردار ہوتا ہے۔ وہ بیک وقت ملک، قوم اور کردار

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تعمیر کرتا ہے۔ کردار کو تعمیر کرنا عمل کے ساتھ بہت حد تک منسلک ہے۔ اچھی سوچ اچھے عمل کو پیدا کرتی ہے اور اچھا عمل اچھا کردار بنا دیتا ہے۔ اس ہی لیے قوتِ عمل کا بنیادی کارگر جُز کردار ہے۔ مدرس کو کرداروں کی تخلیق و تعمیر کے سلسلے میں سب سے پہلے اپنے کردار کو دُرست کرنا ہوگا۔ کیوں کہ مدرس کے کردار کا ہی پرتو بچوں کے کردار سے جھلکنے لگتا ہے۔ چوں کہ بچے بہترین نقال ہوتے ہیں۔ اور وہ مدرس کی تمام حرکات و سکنات کا ردِ عمل قبول کرتے ہیں۔ اس لیے طلبہ کے کردار کو تعمیر کرنے سے پہلے مدرس کو اپنا کردار ٹھیک کرنا ہوگا اور تب ہی ممکن ہے کہ وہ بچوں پر کوئی مثبت اثر ڈال سکتا ہے۔

۲۔ سیرت سازی:۔ کردار کے ساتھ ساتھ بچوں کی سیرت و شخصیت کی تعمیر بھی اُستاد ہی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ سیرت سازی کا عمل کے ساتھ بہت گہرا رشتہ ہے۔ سیرت میں عادات و اطوار ذہنی ردِ عمل اور برتاؤ و سلوک جیسے اجزاء شامل ہیں۔ یہ تمام اجزاء ایک اچھی شخصیت اور اچھی سیرت سزی کے لیے از حد ضروری ہیں۔ ایک اچھے مدرس کو ضروری ہے کہ وہ اپنی نیک سیرت کا اثر بچوں سے قبول کرائے۔ اور اس طرح وہ اپنی سیرت سازی کے قوتِ عمل پر سختی سے عمل پیرا ہوں۔ سیرت سازی پر ایک اچھے اُستاد کی شخصیت اور سیرت کا دارومدار بہت زیادہ ہوتا ہے تا کہ وہ اپنے حرکات و عمال کا مثبت اثر بچوں پر ڈال سکے۔

۳۔ پیروی و تقلید:۔ بچے فطرتاً نقال ہوتے ہیں اور یوں بھی نقل کرنا انسان کی فطری جبلت میں شامل ہے۔ بچے اپنے زوقِ استفسار کی بنا پر ہی دُنیا کی سب چیزیں سیکھتے ہیں۔ مدرس کا فرض بنتا ہے کہ جو طلبہ اس نقل و عمل کے سلسلے میں سُست ہوتے ہیں اُنھیں تقلید و نقل کی لذت سے آشنا کرے۔ تقلید اور پیروی ہی انسان کو ایک منفرد درجے تک

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پہونچاتی ہے اور اسے اشرف المخلوقات کا شرف بخشتی ہے کیوں کہ انسان کے اندر بنسبت دوسرے جونوروں کے یہ قوت بہت ہی زیادہ اوت تیز ہوتی ہے۔ ایک اچھے مدرس کے لیے مذکورہ کرداری مقاصد کے سلسلے میں تقلید اور پیروی کروانا بہت اچھا ہُنر مانا جاتا ہے۔

۴۔ تنظیم سازی:۔ تنظیم کے لغوی معنی ہیں انتظام سازی اور نظم ونقس کے ہیں۔ کسی بھی مرحلے پر کسی بھی کام کو عبور کرنے کے لیے تنظیم سازی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مدرس کو درس وتدریس کے سلسلے میں بہت ہی نازک مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور سب سے مشکل کام تو اُس کے سامنے یہ ہوتا ہے کہ اُس نے مختلف زہنوں کو یکجا کرُ کے ایک مخصوص نقطہ نظر پر کامزن کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے مختلف کرداروں کی ہمہ گیر نشو ونما کے لیے ایک مدرس کو تنظیم سازی کی ازحد ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر تنظیم سازی کے ایک مدرس کی درس وتدریس کا عمل بالکل کارگر ثابت نہیں ہوسکتا۔ کرداروں کی زہنی اور اجتماعی نشو ونما کے لیے تنظیم سازی کا عمل ایک کلیدی رول ادا کرسکتا ہے۔ اس طرح مدرس طلبہ میں نظم ونسق، اجتماعیت اور قومی یکجہتی اور ایکتا واتحاد کا جذبہ پیدا کرسکتا ہے۔

۳۔ قوتِ تاثر

قوتِ تاثر کے درج زیل پانچ عناصر ہیں:۔

۱۔ عمل ۲۔ اِفادہ ۳۔ ردِعمل ۴۔ پذیرائی ۵۔ محاکمہ

۱۔ عمل:۔ قوتِ تاثر کے تحت عمل کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ قوت تاثر کے عناصر ترکیبی میں عمل کی حیثیت نہایت مسلم ہے۔ کسی بھی بات اور امر کا تاثر اس بات پر مبنی ہے کہ اس پر کتنا عمل کیا جارہا ہے۔ تاثر سے پہلے عمل کا مرحلہ طے کرنا ہوتا ہے اس کے بعد

G.M. College of Education
Raipur, Bantalab
Jammu
Acc. No....10768
CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہم تاثر پر پہنچ سکتے ہیں۔ عمل تاثر کا ایک مثبت جُز ہے۔ اور قوت تاثر کا تعین کرنا تب تک نا ممکن ہے جب تک اِسے درس وتدریس کے عملی مشق کو پرکھا نہ جائے۔ قوت تاثر کے تحت ایک اعلیٰ پایہ کے مدرس کو چاہئے کہ وہ طلبہ کی عملی مشق کا جائزہ لے اور اُن کو عمل کرنے کی تربیت دے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

۲۔ اِفادہ :۔ خاک ہے وہ زندگی جس کا مقصد نہیں
وہ شجر، شجر نہیں جس میں ثمر نہیں

دُنیا میں کوئی بھی کام بغیر کسی فائیدے کے نہیں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح درس و تدریس کا عمل بھی کارگر اور بامقصد ثابت ہونا چاہئے۔ اُستاد کو درس وتدریس کے ہر مرحلے پر یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہا ہے۔ اُس کا پڑھانا بچوں کے لیے کتنا مُفید ثابت ہو رہا ہے۔ چونکہ افادہ کے معنی فایدہ پہنچانے کے ہیں اور درس و تدریس میں اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے۔ کیونکہ یہ بچے ہی مستقبل کے زمے وار ہوتے ہیں اور انھیں افادہ سے محروم رکھنا گویا ملک وقوم کو افادے سے محروم رکھنے کے مُترادف ہے۔ مدرس کو اس لیے ہر مرحلے پر طلبہ کے مفاد کا خیال رکھنا ہے کہ آیا میرا پڑھانا کس قدر اثر انگیز اور سودمند ثابت ہو رہا ہے۔ گویا اُسے موخذہ ہر ہمیشہ کرنا ہوتا ہے کہ بچے اُس کی درس وتدریس سے کس قدر مستفید ہو رہے ہیں۔

۳۔ ردعمل :۔ ہر کئے گئے کام یا عمل کا ردعمل ضرور ہوتا ہے اور مدرس چونکہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab-Jammu

ہر وقت حرکت و عمل میں سرگرم ہوتا ہے۔ وہ بچوں پر مختلف تجربے کرتا رہتا ہے اور ہر تجربے کے بعد اُس کا ردعمل دیکھنا ضروری ہے کہ آیا اس کا تجربہ کس قدر موثر ثابت ہو رہا ہے۔ مدرس کی درس و تدریس ردعمل سے کبھی مُبرّا نہیں ہو سکتی۔ اور کرداری مقاصد کے حوالے سے اور موثر کردار کی تعمیر کے حوالے سے ردعمل جانچنا تو بہت حد تک لازمی ہے۔ مدرس کو چاہئے کہ ہر عمل کا ردعمل دیکھ لے اور حالات اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ اپنے رویوں کو بھی بدل ڈالے جو وقتاً فوقتاً اپنا اثر ثابت کر سکتے ہیں۔

۴۔ پذیرائی:۔ پذیرائی کے لغوی معنی قبولیت اور منظوری کے ہیں۔ مدرس طلبہ کے سامنے اگرچہ حساب اور دیگر ایسے مضامین کے سوالات حل کرتا ہے تاکہ بچے اس طریقہ کار سے آگے آنے والے اسباق با آسانی حل کر سکیں۔ مدرس کو طلبہ کی پذیرائی کا پتہ بیک وقت لگانا ہے۔ کہ آیا طلبہ کس حد تک ان سوالات کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے اور ان اس پذیرائی کی مدد سے وہ کس حد تک آگے بڑھ سکتے ہیں۔ مدرس کو چاہیئے کہ قدم قدم پر پذیرائی کا پتہ لگائے اور اُس ہی ردعمل سے آگے بڑھتا رہے۔ ایک اچھے مدرس کی کارگردگی کا مُظاہرہ تو طلبہ کی پذیرائی پر بہت حد تک منحصر ہے۔

۴۔ قوتِ ادراک

کرداری مقاصد کے حوالے سے قوت ادراک اس مرحلے کی آخری کڑی ہے اور اس کا تعلق چونکہ بچوں کی فہم، سوجھ بوجھ اور ذہن سے ہوتا ہے۔ اس لیے مدرس کا ذاتی نقطۂ نظر بچوں پر حاوی رہنا بہت ضروری عمل ہے۔ بچے چونکہ نقال ہوتے ہیں۔ اور مدرس کی نقل کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح فہم و ادراک کا عمل بھی وہ قبول کرتے ہیں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

قوتِ ادروک کے درج زیل چار اجزاء ہیں:۔

۱۔وسعتِ نظر ۲۔تبادلۂ خیال ۳۔بحث ومُباحثہ ۴۔منزلِ مقصود

۱۔وسعتِ نظر:۔ مدرس کی شخصیت چونکہ ایک مُسلّم اور باوقار شخصیت ہوتی ہے جو بچوں کی ہر ادا کو متاثر کر لیتا ہے۔ بچے اُس کا ہر ایک اثر قبول کر لیتے ہیں۔اس لیے مدرس کو چاہئے کہ اپنی نظر وسیع رکھے۔تا کہ بچے بھی اس ہی طرح وسیع النظری سے بہرہ مند ہو سکیں۔کرداری مقاصد کے حوالے سے ایک اچھے مدرس کو طلبہ کی شخصیت کی ہمہ جہت ترقی و نشو ونما کونی مقصود ہوتی ہے۔اس لیے اُس کا یہ فرض اول بنتا ہے کہ وہ بچوں کو اس خوبی سے نوازے۔وسعت نظر ایک ایسی خوبی ہے کہ جس سے بچوں کو واقف ہونا بہت ضروری قرار دیا گیا۔ان ہی خصوصیات کی بنا پر طلبہ ترقی کی منزلوں کو طے کرتے جاتے ہیں۔مدرس ان مندرجہ بالا خصوصیات کا بخوبی دھیان رکھے۔

۲۔تبادلۂ خیال:۔ دراصل تعلیم وتدریس کا دوسرا نام تبادلۂ خیال ہے۔یہ ایک نہایت وسیع اور جامع مفہوم کے حامل ہے۔تعلیم جو کہ موجودہ زمانے میں باعثِ افتخار بشر ہے۔گذشتہ دانشوروں کا ہمارے ساتھ تبادلۂ خیال بھی ہے۔جو کتابیں ہم پڑھتے ہیں پرانے دانشور لوگوں کے نظریات اور تجربے ہوتے ہیں۔اور جب ہم اُنھیں پڑھتے ہیں گویا ہم اُن کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔مدرس کو چاہئے کہ بچوں کے اندر آپس میں تبادلۂ خیال کرنے کی خود ڈالے تا کہ بچے کسی بھی معاملے میں حتمی فیصلے پر پہونچ سکیں۔اس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی مسلّم ہے کہ بچے مختلف رائے میں تبالئہ خیال کر کے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کر سکتے ہیں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۳۔ بحث ومُباحثہ:۔ کرداری مقاصد کے حوالے سے ایک اچھے مدرس کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ بچوں کی طرف پوچھے گئے سوالات سے کبھی بھی اُکتا نہیں جاتا۔ بلکہ بچوں کی طرف سے اُبھرنے والے سوالات کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرتا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو بحث ومُباحثہ میں داخل ہو کر بچوں کی غلط فہمی کو دور کرتا ہے۔ کیونکہ بحث ومباحثہ دلائل، ثبوت پر مبنی ہوتا ہے۔ اور طلبہ بحث ومُباحثہ کے بعد کسی بھی حتمی فیصلے کو مان جاتے ہیں۔ مدرس کو چاہئے کہ بچوں میں بحث ومباحثہ کی خو ڈالدے۔ تاکہ آئندہ آنے والی زندگی میں بھی وہ قوتِ ادراک کی اس قوت کو اپنے لیے مشعل راہ بنالیں۔

۴۔ منزلِ مقصود:۔ کسی بھی امر کا مقصد ہوتا ہے۔ قوت ادراک کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کے اندر سوچ سمجھ اور سود وزیاں کی فکر پیدا کی جائے۔ اُنھیں اُن کے نصب العین سے آشکارا کیا جائے۔ اگر چہ اُن کے سامنے منزلِ مقصود ظاہر کر دی جائے تو یہ لگن اُن کو اپنی منزل کی طرف روانہ کر دیتی ہے۔ ایک اچھے مدرس کا کام طلبہ کی پوشیدہ منزلوں سے طلبہ کو آشکارا کرنا ہوتا ہے۔ منزل مقصود بھی ایک ایسا مرحلہ ہے جو قوت ادراک کے بغیر ناممکن ہے۔ مدرس کو سب سے پہلے چاہئے کہ وہ فہم وادراک کی قوت بچوں میں پیدا کرے اور پھر اس ہی قوت کے زریعے طلبہ اپنی منزلِ مقصود کا تعین بھی کر سکتے ہیں۔

کرداری مقاصد کی اہمیت مندرجہ زیل عناصر پر مبنی ہے:۔

۱۔ ابلاغ

۲۔ ماحصل

۳۔ پیمایش

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۴۔ احتساب

۵۔ رہنمائی

۶۔ تحریک ذہنی

۷۔ متوقع کردار کا تعین

۸۔ حتمی شکل

۹۔ خاکہ تیار کرنا

۱۰۔ ابتدائی کردار سے واقفیت کرنا

۱۱۔ مقاصد کا بیان

۱۲۔ کرداری اصول کو اختیار کرنا

مادری زبان میں تعلیم کا مطالبہ

مادری زبان میں تعلیم دینے کی اہمیت سے متعلق گزشتہ تین دہایوں سے کافی بحث ہو چکی ہے اور اس بات کی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ مادری زبان کے زریعے بہتر تعلیم ہوتی ہے۔

مادری زبان میں تعلیم دینے کا مطالبہ اُس وقت زیادہ زور پکڑتا ہے جب سماج میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور تعلیم کو سماجی تبدیلی اور شخصیت سازی کا ایک موثر ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ اگر تعلیم کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالی جائے تو آسانی سے اس بات کا پتہ چل سکتا ہے کہ دورِ وسطی کے یورپ میں لاطینی زبان کے زریعے تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوستان میں بھی انیسویں صدی تک سنسکرت یا فارسی زریعہ تعلیم رہی۔ ان تمام ادوار میں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تعلیم ایک مخصوص طبقے تک محدود تھی۔ اس لیے مادری زبان کے زریعہ تعلیم دینے کا مسئلہ نہیں پیدا ہوا۔ لیکن جب آزاد ہندوستان میں تعلیم کو عام، مفت، لازمی اور سیکولر بنانے کا منصوبہ بنایا گیا تو تعلیم بذریعہ مادری زبان نے ایک مطالعے کی شکل اختیار کر لی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمہ گیر تعلیم کے امکانات اسی وقت روشن ہوں گے جب تعلیم کی سہولیتیں عوام کو میسر آنے لگیں۔ عوام الناس کو خواندہ بنانے کے لیے مقامی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانا ضروری ہے۔ لہٰذا ان تمام قوموں نے جنھیں ابھی حال میں آزادی حاصل ہوئی ہے اور جنھوں نے جمہوری نظام اپنایا ہے ذریعہ تعلیم کے مسئلے کو خصوصی اہمیت دی ہے۔

مادری زبان کے زریعے تعلیم دینے کے حق میں جو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں ان کا تعلق ذہنی، جذباتی، نفسیاتی، سیاسی اور سماجی پہلوؤں سے علیحدہ علیحدہ بھی ہے اور ملا جُلا بھی۔ یہاں محض ان پہلوؤں سے بحث کی جائے گی جن کا تعلق خصوصی طور پر درس وتدریس سے ہے۔

جدید تعلیم میں نفسیات کو ایک خصوصی مرتبہ حاصل ہے۔ چنانچہ زبان کی تعلیم میں بھی نفسیات کو ایک اہم مقام دیا ہے۔ زبان آواز کا ایک نظام ہے جو بچے کے دماغ کو متحرک کرتا رہتا ہے۔ اس کے وسیلے سے وہ خود بخود اظہار و تفہیم کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح اس کو جو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ وہ ذہنی، جذباتی اور سماجی نشو ونما کی ضمانت کرتی ہے۔ یہ منصب مادری زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں ادا کر سکتی ہے۔ زبان اور خیال کا تعلق جسم اور روح کی طرح کا ہے اور ایک کا دوسرے پر انحصار ہے۔ ایک کی ترقی سے دوسرے کی ترقی ہوتی ہے۔ اور ایک کے انحطاط سے دوسرے کا انحطاط ہوتا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سماجی اعتبار سے مادری زبان کا مقام اور بھی بلند ہے کیونکہ مادری زبان کے زریعے ہی بچہ اپنی تہذیب و معاشرت سے مطابقت اور رابطہ پیدا کرتا ہے۔ ایک مشترک وسیلہ اظہار یعنی تقریر یا گفتگو گروہ کے افراد کے درمیان وسیلے کا کام کرتا ہے۔ اس کے بغیر سماجی روابط تقریباً ناممکن ہیں۔ تعلیمی نقطہ نظر سے مادری زبان کی امتیازی اہمیت ہے۔ اس لیے کہ مادری زبان سے آموزش میں سہولیت پیدا ہوتی ہے۔ مدرسے کے اندر ماری زبان کی حیثیت محض ایک مضمون کی نہیں ہوتی، بلکہ مادری زبان دیگر مضامین کی تعلیم کا بھی ایک موثر زریعہ ہے، کمرۂ جماعت ہو ، ورک شاپ ہو یا کتب خانہ، کھیل کا میدان غرض ہر جگہ مادری زبان کی ہی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ پس مادری زبان نہ صرف تعلیم کا ایک موثر زریعہ ہے، بلکہ اگر مادری زبان کے زریعے تعلیم نہ دی جائے تو اظہارِ ذات کی صلاحیت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس کے سبب تحصیلِ علم میں رُکاوٹ ہوتی ہے اور شخصیت میں توازن پیدا نہیں ہو پاتا۔ لہذا درس وتدریس کا کام کرنے والوں کو اس بات سے شعوری طور پر باخبر ہونا چاہئے کہ بچوں کی نشوونما میں اور موثر تعلیم کے حصول میں مادری زبان کیا رول ادا کرتی ہے نیز دیگر مضامین سے اس کا کیا تعلق ہے اور آموزش میں یہ کس طرح معاون ہوسکتی ہے۔

نصاب

نہ جانے درسگاہوں کو کہاں لے جاکے دم لے گی
یہ تعلیمی کج اندیشی، یہ بے سمتی نصابوں کی

---پرویز شاہدی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

عام ملحوظات

نصاب کی بے سمتی اور بے ربطی کا شکوہ ہر شخص کو ہے، شاعر ہو یا ادیب، ماہر تعلیم ہو یا صحافی، اُستاد ہو یا شاگرد سبھی اس کا رونا روتے نظر آتے ہیں۔ یہ شکوہ بڑی حد تک بجا ہے اس لیے کہ ہمارے مدارس میں نصاب حقیقی زندگی سے بے نیاز ہے۔ اس میں توازن کی کمی ہے۔ اور مختلف منزلوں کے نصاب میں منطقی ربط و تسلسل کا فقدان ہے۔ مزید یہ کہ نصاب میں بچوں کی نفسیات اُن کی فطرت اور ان کے درمیان انفرادی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا اس لیے یہ بڑی حد تک بے اثری کا شکار ہے۔

نصاب کی اہمیت مسلّم ہے اس لیے کہ اس کی معنویت اور جامعیت پر تعلیم کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔ ایک اچھے نصاب کے بغیر اس بات کا قوی امکان ہے کہ مقصد پیشِ نظر رکھنے کے باوجود استاد ٹیڑھا راستہ اختیار کرے اور منزل مقصود سے دور جا بھٹکے۔ اس لیے ہر سطح کی تعلیم کے لیے ایک عمدہ نصاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک معقول نصاب سے نہ صرف تعلیم میں معنویت اور اثر پذیری پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ استاد کے کام کی سمت بھی متعین ہوتی ہے۔ اور اس کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حصول مقصد کے لیے کون کون سی راہیں نکالنی ہوں گی۔

ثانوی منزل کے نصاب کی تشکیل کرتے وقت عام طور پر محض منفی پہلوؤں پر زور دیا جاتا ہے۔ اور دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر ثانوی منزل کے طلبا کہ تعلیمی لیاقت کا جائزہ لیا جائے تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دقوقی پہلوؤں میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ جب ہائی اسکول سے نکل کر یونیورسٹی میں داخل

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہوتے ہیں تو اکثر وبیشتر انھیں نہ تو زبان پر قدرت حاصل ہوتی ہے نہ شعر وادب سے واقفیت ان کے پاس خیالات کا سرمایہ بھی محدود ہوتا ہے اور لسانی اظہار کی سہولیت بھی ناکافی ہوتی ہے۔ چنانچہ ان میں اس بات کی بھی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے سیدھے سادھے خیالات کو بھی اور صاف زبان سے ادا کرسکیں۔

لہٰذا نصاب کی تربیت میں اس امر کو ذہن نشین رُکھنا چاہیئے کہ اس میں مبلغ علم اس طرح فراہم کیا جائے کہ فراہمی معلومات کے ساتھ ساتھ طالب علموں میں صحت مند رویّوں کا بھی فروغ ہو۔ اور اس کے زریعے فرد اور سماج کی ضرورتوں، امنگوں اور تقاضوں کا پورا پورا خیال رُکھا گیا ہو۔ مزید یہ کہ نصاب کی تیاری میں طالب علم کے تہذیبی پسِ منظر، گردوپیش کے ماحول اور علاقائی اور ملکی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے اور آخر میں اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ نصاب میں کافی لچک ہوتا کہ استاد مضمون پڑھاتے وقت اگر مجوزّہ نصاب اور درپردہ نصاب میں کسی قسم کا اختلاف پائے تو اس کو فرد اور سماج کی ضرورت کے لحاظ سے اس طرح ڈھالنے کی کوشش کرسکے کہ قومی مقاصد اور بنیادی اقدار کو فروغ حاصل ہو۔

ہر ملک وقوم کے نزدیک ثانوی تعلیم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ملک کی استقامت کا بہت کچھ انحصار ثانوی تعلیم کی پائیداری پر ہوتا ہے۔ اس منزل سے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لیے کارُکنوں کی ایک کثیر تعداد فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں بھی توانائی انھیں کے دم سے آتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کے تعلیمی ڈھانچے کی یہ سب سے کمزور کڑی ہے۔ چنانچہ ثانوی منزل کے اختتام پر وہ لوگ جو

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تعلیم کو خیر باد کہہ کر زندگی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ دوبارہ رسمی تعلیم سے فیضیاب نہیں ہو پاتے۔ اس لیے ثانوی سطح پر انھیں ایسی تعلیم دینی چاہیئے۔ جو ان کی آئندہ زندگی کی ضروریات کو پورا کر سکے اور سماجی و معاشی طور پر خود کفیل ہو سکیں۔ نیز اگر کبھی مزید تعلیم محسوس ہو تو اُسے باضابطہ تعلیم کے اداروں کے ذریعے یا غیر رسمی طور پر حاصل کر سکیں۔

ثانوی منزل پر عام طور سے نصاب کی کم مائیگی کا شکوہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اُردو نصاب کے سلسلے میں یہ امر اور بھی زیادہ باعث تشویش ہے۔ کہ اُردو کی تعلیم کے سلسلے میں بحیثیت مجموعی حالات بے حد نا موافق ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ملک کے بہت سے ثانوی مدارس میں محدود طریقے پر ہی سہی، اُردو کی تدریس کا کام جاری ہے۔ اور ان مدارس کے ذریعے اُردو کی ترویج و اشاعت کی خدمت انجام دی جا رہی ہے۔ لہذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ثانوی منزل کے لیے اُردو کا ایسا نصاب تیار کیا جائے، جو طالب علم کو خود کفیل بنا سکے اور سماج کے جدید تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ آزادی کے بعد تعلیم کی اصلاح و ترقی کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے جو کوششیں عمل میں آئی ہیں، ان میں سے دو خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ایک ثانوی تعلیمی کمیشن (1952-53) اور دوسرا تعلیمی کمیشن (1964-66) ان دونوں کی رپورٹوں میں منجملہ اور باتوں کے نصاب کے نقائص کا بھی ذکر کیا جاتا ہے اور واضح طور پر یہ نکتہ چینی کی گئی ہے کہ ہمارے مدرسوں کا نصاب بڑی حد تک کتابی ہے۔ اس کا تصور محدود ہے اور اس کے اندر رٹنے رٹانے پر زیادہ زور ہے۔ یہ نصاب شخصیت سازی سے عاری ہے اور اس کے اندر امتحان کا بے جا دباؤ ہے۔ پھر یہ کہ تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے طالب علم کو واقعات و حقائق کا علم

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

فراہم کیا جاتا ہے۔ مہارتیں سکھائی جاتی ہیں دِلچسپی اور رویّے پیدا کئے جاتے ہیں اور زندگی کو صحت مند قدروں سے روشناس کرایا جاتا ہے۔

تعلیمی کمیشن (1964-65) نے ان ہی ملحوظات کے پیش نظر ثانوی تعلیم کے ڈھانچے میں تبدیلی کی سفارش کی تھی۔ تقریباً دس برس بعد مرکزی مشاورتی بورڈ نے اس پر عمل درآمد کرنے کا مشورہ دیا اور مئی 1975 کے نئے تعلیمی کمیشن نے 3+2+10 اسکیم کے نفاذ کا اعلان کیا۔ اس اسکیم کے تحت کئی ریاستوں میں درسیات کی تنظیم نو کی گئی۔ عام تعلیم کی مدت آٹھ سال سے بڑھ کر دس سال کر دی گئی اور ثانوی تعلیم کی اختتامی منزل آٹھ اور گیارہ کے بجائے 12+10+8 قرار پائی۔

تعلیمی کمیشن نے چونکہ سہ لسانی فارمولے کو قومی پالیسی کے طور پر تسلیم کرنے کی سفارش کی تھی۔ اس لیے 3+2+10 کے تحت زبانوں کی تعلیم کا جو خاکہ پیش کیا گیا۔ اس میں زبانوں کی تعلیم پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دی گئی اور اس بات کی سفارش کی گئی کہ ابتدائی منزل پر مادری زبان یعنی پہلی زبان کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ درمیانی منزل پر پہنچ کر طالب علم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی مادری زبان پر قدرت حاصل کر چکا ہوگا۔ لہٰذا اس منزل پر دوسری زبان سے طالب علموں کو متعارف کرایا جائے گا اور ثانوی منزل پر پہلی اور دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ تیسری زبان بھی سکھائی جائے گی۔ گویا کہ درمیانی اور ثانوی منزل پر اعلیٰ لسانیاتی اور تصوراتی مواد کے زریعے زبان کی بنیادی مہارتوں میں مزید اضافہ کرایا جائے گا۔ اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ دس سال کی تعلیم کے اختتام پر طالب علم کے اندر پہلی زبان کی پوری اہلیت پیدا ہو جائے گی۔ دوسری زبان میں اتنی مہارت ہو

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

جائے گی کہ وہ عبارت کو سمجھ سکے اور زبان کے اظہار پر قدرت حاصل کر لے اور تیسری زبان میں بس اتنی لیاقت پیدا ہو جائے کہ وہ چھپی ہوئی معمولی عبارت کو سمجھ سکے۔

تعیّنِ نصاب

ثانوی سطح پر اُردو کا نصاب مرتب کرتے وقت ایک بڑی دشواری یہ پیش آتی ہے کہ مدرسوں میں اُردو مختلف حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ کہیں پر مادری زبان کی حیثیت سے، کہیں ثانوی زبان اور کہیں علاقائی زبان کی حیثیت سے۔ لہٰذا اُردو کا نصاب مرتب کرتے وقت اُردو کی نوعیت کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔

جدید تعلیمی نظریات کے پیشِ نظر نصاب مرتب کرتے وقت مضمون کے تعلیمی مقاصد کا ذکر بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے عام تعلیم کے مقاصد اس وقت تک محدود تصور کیے جاتے ہیں۔ جب تک مضمون اور مقاصد واضح طور پر نہ بیان کیے جائیں۔ لہٰذا مادری زبان کی حیثیت سے ثانوی منزل پر اُردو کی تعلیم کے مقاصد بھی نصاب میں شامل کرنا ضروری ہے۔ نصاب میں تسلسل اور ربط کے پیشِ نظر مدرسے کی مختلف منازل پر اُردو کی تدریس کے مقاصد مختصراً یوں بیان کیے جا سکتے ہیں۔

ابتدائی منزل

اس منزل پر طالب علم کو بنیادی مہارتیں سکھانا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ وہ مناسب الفاظ میں دوسروں سے گفتگو کر سکے۔ سادے اور منفرد جملوں میں اپنے خیالات کو لکھ کر پیش کر سکے۔ باآوازِ بلند تلفظ، موزوں لہجے اور مناسب رفتار کے ساتھ پڑھ سکے۔ خاموش خوانی کی عادت پیدا کر سکے اور عبارت کو پڑھ کر نفسِ مضمون اخذ کر سکے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

درمیانی منزل

یہ چھٹی جماعت سے آٹھویں جماعت تک کی منزل ہے۔ اس منزل پر بچے کی جسمانی پختگی اور ذہنی نشو ونما ہوتی ہے۔ بہت سے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے یہ تعلیم کی آخری منزل ہوتی ہے۔ کیونکہ تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ زندگی میں داخل ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا انھیں اس طرح تیار کرنا چاہئے کہ آئندہ زندگی کی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ اس منزل پر میکانکی مہارتوں کی مشق جاری رہے گی۔ لیکن اپنی زبان پر پہلے کے مقابلے میں زیادہ عبور حاصل ہوجائے گا اور ادب کی پرکھ کا بھی تھوڑا بہت سلیقہ آجائے گا۔

ثانوی منزل

اس میں نویں اور دسویں جماعتیں شامل ہوتی ہیں۔ اس منزل کے اختتام پر بھی بہت سے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم سے کنارہ کش ہوجائیں گے۔ لہٰذا ان کے اندر ایسی صلاحیت پیدا کردینی چاہئے کہ وہ منتخب ادب پاروں سے لطف اندوز ہوسکیں، ادیبوں کی تخلیقی نگارشات کے مطالعے سے استفادہ کرسکیں اور لسانی اور فکری مواد کے ذریعے سابقہ منزل کی مہارتوں کی مشق جاری رکھ سکیں۔ ادبی اور لسانی مہارتوں کو ترقی دینے کے علاوہ طالب علموں میں قسم کے رویّے پیدا کرانا بھی زبان کی تعلیم کا مقصد ہوتا ہے۔ لہٰذا انسانی دوستی، رواداری اور قومی احساس کا جذبہ بھی طالب علموں میں پیدا کرانا چاہئے۔

حصولِ مقاصد

ان مقاصد کے حصول کے لیے اُردو کے نصاب میں حسب ذیل مشاغل تجویز کیے جاسکتے ہیں:

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

1۔ پڑھنا:۔ پڑھائی کا کام بڑی حد تک درسی کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اُردو کی درسی کتابیں جو ثانوی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کی تصنیف و تالیف کا کام بڑی حد تک روایتی اور فرسودہ ہے۔ یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوتی ہے کہ آزادی سے پہلے اصناف سخن کی جو ترتیب قائم رکھی گئی تھی وہ بڑی حد تک آج بھی قائم ہے اور بعض شعرا کے چند مخصوص انتخاب ثانوی اعلیٰ ثانوی اور کالج کی سطح پر بھی درسی کتاب میں شامل ہے۔ انتخاب مواد میں اس بات کا لحاظ نہیں رُکھا جاتا کہ آج کے طلبہ کا وہ معیار نہیں ہے۔ جو بیس تیس برس پہلے تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ مرتبین اور مؤلفین طلبہ کے معیار اور ان کی ضروریات سے قطعی بے خبر اور بے تعلق ہیں۔ چنانچہ بعض درسی کتب میں ایسے قصائد اور ایسی غزلوں کا انتخاب کر دیا گیا ہے۔ جن کی تفہیم اور تحسین آج کالج کے طلبہ کے لیے بھی مشکل ہے۔ ثانوی مدرسہ کے طلبہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو اگر لفظوں کے ہجے یاد کر لیں اور مصرعوں کو موزوں کر کے پڑھ لیں، تو یہی ان کے لیے کافی ہوگا۔

ثانوی منزل پر غزلوں کے انتخاب میں خاص طور سے کوتاہی برتی گئی ہے۔ اور ایسی غزلوں کا انتخاب کر دیا گیا ہے، جن میں بوسۂ لب، رقیب روسیاہ، ہجر و وصال اور سبزہ خط جیسی ترکیبوں کا ذکر ہے۔ وہ لمحہ استاد کے لیے بہت صبر آزما ہوتا ہے۔ جب ایسی غزلوں کو پڑھاتے وقت شاگرد، سرسری اشاروں سے مطمئن نہیں ہوتا اور گہرائی میں ان علامتوں کو سمجھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا ثانوی منزل پر غزلوں کے انتخاب میں بہت احتیاط برتنی چاہئے اور عشق و محبت کی روایتی علامتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اُردو میں ایسی شاعری کا وافر ذخیرہ ہے، جن کے ذریعے ادبی و جمالیاتی شعور بیدار کیا جا سکتا ہے اور ساتھ ساتھ طالب علموں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

میں راست گوئی، حب الوطنی اور انسان دوستی کا جذبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح نثر کے انتخاب میں مضامین کے تنوع کے ساتھ ساتھ اسباق کو عہد جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہئے اور سائینسی اور سماجی علوم سے بھی ان کا رشتہ جوڑنا چاہئے۔

2۔لکھنا:۔ اُردو کے نصاب میں انشا کے کام پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔اور اس کام کو محض چند فرسودہ عنوانات پر مضامین لکھوانے تک محدود کر دیا جاتا ہے جب کہ اس کام میں بہت تنوع کی گنجائش ہے۔اشتہار، اعلان، مراسلہ نگاری اور مضمون نگاری سے لے کر تصریح اور اختصار نویسی تک مختلف نوعیت کے کام ثانوی منزل پر کرائے جا سکتے ہیں۔مدرسہ میں پڑھائے جانے والے مختلف مضامین سے اس کا ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔اور ساتھ ہی مدرسے کے دیگر مشاغل سے بھی اس کو ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا نصاب مرتب کرتے وقت ایسے تمام مواقع ذہن میں رکھنے چاہئیں اور ان سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں اساتذہ کی رہنمائی کرنی چاہئے۔گرامر کی تدریس کے لیے بھی نصاب میں واضح اشارات ہونے چاہئیں۔ثانوی منزل پر جن موضوعات کو گرامر کے تحت شامل کیا جا سکتا ہے، وہ سب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اسم اور اسم کے اقسام

۲۔ تذکیر و تانیث

۳۔ واحد و جمع

۴۔ فعل ماضی کے اقسام

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College of Education Bantalab Jammu

۵۔ حروف ربط

۶۔ افعال لازمی اور متعدی

۷۔ حروف فجائیہ اور استفہام کا استعمال

۸۔ صنائع، بدائع

اُردو کا نصاب کیسا ہونا چاہئے

نصاب کی اہمیت مسلّم ہے کیونکہ اس کی معنویت اور جامعیت پر تعلیم کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔ ہر سطح کی تعلیم کے لیے ایک عمدہ نصاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک معقول نصاب سے تعلیم میں معنویت اور اثر پذیری پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ مدرس کے کام کی سمت بھی متعین ہوتی ہے۔

نصاب مدرس کے ہاتھ میں ایک ایسا آلہ ہے۔ جس سے وہ اپنے شاگردوں کو تعلیمی اغراض و مقاصد کے پیسِ نظر دورانِ تعلیم ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ نصاب طلبہ کی ذہنی، جسمانی، جذباتی، سماجی، اخلاقی اور روحانی نشوونما میں مدد دیتا ہے۔ نصاب میں وہ تمام سرگرمیاں شامل ہیں۔ جن سے ایک طالب علم حصول تعلیم کے دوران دوچار ہوتا ہے۔ نصاب تعلیم طالب علم کی تعلیم کا ضامن ہے۔ نصاب تعلیمی مقاصد کے حصول میں مدد گار ثابت ہوتا ہے۔ موزوں نصاب سے طلبہ کے کردار کی نشوونما ہوتی ہے۔ نصاب طلبہ کی جمالیاتی، تمدنی، مذہبی اور پیشہ ورانہ نشوونما میں مدد دیتا ہے۔

نصاب کی ترتیب و تدوین میں اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس میں مبلغ علم اس طرح فراہم کیا جائے کہ معلومات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ طلبہ میں صحت مند

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

رویوں کا بھی فروغ ہو۔ نصاب طلبہ کی ضرورتوں، دِل چسپیوں، اہلیتوں، ذوق اور ذہنی معیار کے مطابق ہونا چاہیئے۔ نصاب سماجی ماحول کا ترجمان اور سرگرمی موکز ہونا چاہیئے۔ تاکہ طلبہ کو عملی کام کے زیاد سے زیادہ مواقع مل سکیں۔ نصاب خود کے سیکھنے کے اُصول پر مبنی مگر جامع اور وسیع ہونا چاہیئے۔ نصاب لچک دار، زندگی مرُکز اور تجربہ مرکز ہونا چاہئے۔ نصاب تہذیب وتمدن کے تحفظ اور انتقال میں مددگار ثابت ہونا چاہیئے۔ نصاب طلبہ کی تخلیقی اور تعمیری قوتوں کی نشو ونما کرنے کا زریعہ ہونا چاہئے۔ نصاب ایسا ہو جو طلبہ میں جمہوری قدریں اور ادبی وتمدنی ذوق پیدا کرے۔ نصاب طلبہ کے اتفاقیہ، غیر رسمی، رسمی، عام وخاص، نظری وعملی، بالواسطہ، بلاواسطہ، انفرادی اور سماجی تعلیمی مقاصد پورے کرنا چاہئے۔ اس قسم کا تعلیمی نصاب نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔

حقیقت میں مضمون کوئی بھی کیوں نہ ہو، جب تک نصاب کا انتخاب بہتر اور متوازن طریقے پر نہیں کیا جائے گا، تب تک اُس مضمون کی خاطر خواہ تعلیم دینا دشوار ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ نصاب کی بہتر تدوین اور مدرس کی صلاحیت وقابلیت دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ اگر نصابِ تعلیمِ اُردو متوازن اور معیاری ہو اور مدرس محنتی، فرض شناس اور باصلاحیت ہو تو بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔ نصاب کی تیاری میں طلبہ کے تہذیبی پسِ منظر، گردوپیش کے ماحول اور علاقائی وملکی ضرورتوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ہمارے مدرسوں کا نصاب بڑی حد تک کتابی ہے۔ اس کا تصور محدود ہے۔ یہ شخصیت سازی سے عاری ہے۔ اس میں رٹنے رٹانے پر زیادہ زور ہے۔ اور اس میں امتحان کا بیجا دباؤ ہے۔ لہذا اُردو زبان کا نصاب تعلیم ان تمام خامیوں سے پاک ہونا اچاہئے۔ تعلیم

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ایک ایسا عمل ہے جس کے زریعے طلبہ میں دِل چسپیاں اور روّیے پیدا کیے جاتے ہیں۔ اُنھیں زندگی کی صحت مند قدروں سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ اُنھیں مہارتیں سکھائی جاتی ہیں۔ اور اُنھیں حقائق و واقعات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نصاب ان تمام تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے۔

درسی کُتب

اکثر ماہرین تعلیم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ طلبہ کو کتاب اسی وقت مہیا کرنی چاہئے جبکہ وہ الفاظ کو پہچاننے اور پڑھنے لگیں۔ اگر طلبہ کو ترکیبی طریقوں سے پڑھنا سکھایا جاتا ہے تو کتاب کا استعمال اس وقت کرنا مناسب ہوگا جب کہ طلبہ کو معمولی الفاظ پڑھنے پر قدرت حاصل ہو برخلاف اس کے اگر تحلیلی طریقوں سے پڑھنا سکھایا جاتا ہے جن میں ابتدا لفظوں، جملوں یا قصوں سے ہوتی ہے۔ تب بھی درسی کتابوں کا اسی وقت مناسب رہے گا۔ جب کہ طلبہ کافی لفظوں سے مانوس ہو جائیں درسی کتابوں کے استعمال کی مخالفت و موافقت میں مختلف دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ مخالفین کا کہنا ہے کہ درسی کتابوں کا استعمال کا مقصد حاصل کرنے میں مزاحم ہوتا ہے۔

لیکن تمام خامیوں کے باوجود اکثر ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ طلبہ کے لیے درسی کتب کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

جو راز تیرے دِل میں ہے وہ میرے دِل پہ کھول
تجھ میں زبان نہیں ہے تو میری زبان سے بول

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

چھوٹی سی ہے ذرا سی ہے دانا مگر ہے تو
بے جان، بے زبان گویا مگر ہے تو

(محرومؔ)

درسی کتب کی اہمیت

1۔طلبہ کا شعور اس قدر پختہ نہیں ہوتا کہ وہ مختلف کتابوں کا مطالعہ کر کے معلومات یکجا کر سکیں۔اس لیے بھی درسی کُتب نہایت اہم ہے۔

2۔درسی کتب کی عدم موجودگی میں طلبہ زبان سکھنے اور آزادی سے سمجھ کر پڑھنے میں دقت محسوس کریں گے۔ان کی وجہ سے وہ زبان جلد سے جلد سیکھنے کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

3۔درسی کتب کی وجہ سے طلبہ کے ذخیرہ الفاظ میں بتدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

4۔درسی کتب کے ہر سبق میں طلبہ کچھ نئے الفاظ و محاورروں سے بتدریج واقف ہوتے ہیں۔

5۔طلبہ کے ساتھ مدرس کی رہنمائی کے لیے بھی درسی کتب کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

6۔درسی کتب کی موجودگی میں ہی معائینہ کنندہ جماعت کے معیار اور کارکردگی کی جانچ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

7۔درسی کتب کی موجدگی کی بنا پر ہی والدین اپنے بچوں کی تعلیمی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور اپنے بچوں کی وقتاً فوقتاً رہنمائی کر سکتے ہیں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

8۔ ذہین طلبہ اگلے سبق کا بغیر مدرس کے مطالعہ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

درسی کتب کیسی ہوں؟

1۔ درسی کتب تعصب و تنگ نظری اور فحش چیزوں سے پاک ہوں۔

2۔ درسی کتب سے اعلا نصب العین اور پاکیزہ نظریات بنانے سیرت کو سنوارنے اور خیالات کو بلند کرنی والی ہوں۔

3۔ درسی کتب کی زبان سلیس و با محاورہ، طرز بیان شگفتہ اور طلبہ کے لیے دل چسپ اور قابل فہم ہوں۔

4۔ درسی کتب طلبہ کی عمر، نفسی کیفیات میلانات درجحانات اور فطری دِل چسپیوں کو ملحوظ رکھ کر تیار کی گئی ہوں۔

5۔ درسی کتب کے اسباق میں تنوع ہونا لازمی ہے۔

6۔ درسی کتب میں نثر، نظم، مکالمے، تاریخی ادبی حکایتی اور بیان اسباق کا ہونا لازمی ہے۔

7۔ درسی کتب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہونی چاہئے کہ زبان سلیس با محاورہ ہونی چاہئے تا کہ کتب کی تعلیم آسان اور پڑھنے والوں کو زبان پر جلد عبور حاصل ہو سکے۔

درسی کتب کی تیاری

درسی کتب کی تیاری کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:۔

1۔ کتاب کا کاغذ موٹا ہونا چاہئے کہ ایک طرف کی لکھائی (تحریر) دوسری طرف

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نظر نہ آسکے ورنہ پڑھنے میں دقت ہوگی۔

2۔کاغذ زیادہ چکنا اور چمکدار نہ ہونا چاہئے۔کاغذ زیادہ چمکدار ہونے کی وجہ سے بینائی کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

3۔تحتانوی مدارس کے طلبہ کے لیے جو درسی کتب شائع کی جائیں ان کا خط و قدرے موٹا ہوتا کہ طلبہ بآسانی پڑھ سکیں۔

4۔کتابوں کی جلد مضبوط ہونی چاہئے تا کہ سال بھر تک کتاب چل سکے۔

5۔ تحتانوی جماعتوں کی کتب میں اسباق کی مناسبت سے رنگین تصاویر کو شامل کرنا چاہئے۔

6۔درسی کتب کی تیاری کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ درسی کتب سے طلبہ کو ہمیشہ نفسیاتی اور دِل چسپی بنی رہے۔

7۔نصاب میں منظور شدہ عنوانات پر حتی الامکان ماسی ہوں تا کہ باہر سے مدد لینے کی کم ضرورت پڑے۔

8۔درسی کتب موضوعوں مشقوں اور طریق تعلیم وغیرہ سے متعلق ضروری ہدایات سے بھرپور ہو۔

9۔درسی کتب کا مواد طلبہ کے تجربات و مشاہدات اور روزمرہ کی زندگی سے متعلق اور مربوط کر کے پیش کیا گیا ہو۔

10۔ درسی کتب فن کتابت کی غلطیوں سے پاک ہو اور الفاظ کی بناوٹ ہو۔

درسی کتب کا استعمال

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

1۔ صرف درسی کتب پڑھا دینے پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ ضروری معلومات بھی فراہم کی جائیں۔

2۔ ہر کتاب کے لیے تمام اسباق یکساں ضروری اور مفید نہیں ہوتے اس لیے درسی کتاب سبقاً سبقاً پڑھانے اور رٹوانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

3۔ مدرس کو اپنی طرف سے بھی سوالات اور مشقیں دے کر طلبہ کو طبع آزمائی کا موقع فراہم کرنا چاہیے۔

4۔ مشقیں اور طریق تعلیم سے متعلق ہدایات عموماً درسی کتب کی جان ہوتی ہے۔ ان سے پورا فائیدہ اُٹھانا چاہیے اور انھیں زبانی یا تحریری طور پر حل کرانے کی مدرس کو پوری کوشش کرنی چاہیے۔

5۔ مدرس اُردو کو درسی کتب کے ساتھ مشاہدہ اور تجربہ کے ساتھ پوری توجہ دینی چاہیے۔

درسی کتب پڑھانے کے اشارات

1۔ تحتانوی جماعتوں کے طلبہ کو پڑھانے کے لیے توضیحات کا استعمال کرنا نہایت ضروری ہے۔ توضیحات میں نیٹس کارڈ، الفاظ کے کارڈ، مکر کارڈ، نیپ کارڈ، کمانڈ کارڈ، لکچر کارڈ، پھولوں اور سبزیوں وغیرہ کا استعمال کرنا چاہیے۔

2۔ مڈل یا ہائی اسکول کے طلبہ کو پڑھانے کے لیے اگر لفظ کے متضاد الفاظ بناتے ہوں۔ تو مدرس ان کو اچھے ڈھنگ سے سکھائے کہ متضاد الفاظ اسم ہی نہیں ہوتے بلکہ صفت، فعل اور دوسرے اجزائے کلام بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً ہنسنا، رونا، ہنسنا، سونا، جاگنا۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

صفت کے تحت: سخت نرم گرم، سرد ہلکا بھاری۔ فعل کے تحت: یہاں وہاں، لکھنا پڑھنا، کھانا پینا۔ ضمیر اشارے کے تحت: یہ وہ اِس اُس وغیرہ۔

ثانوی جماعتوں میں خاموش مطالعہ کرانا از حد ضروری ہے۔ کیونکہ طلبہ نئے لفظوں اور جملوں کو اپنے طور پر بآواز بلند پڑھنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خاموش مطالعہ طلبہ کی روزمرہ زندگی میں بھی کام آتا ہے۔ مدرس کو نمونہ خوانی کرنی چاہیے۔ اور مدرس کو نمونہ خوانی کے تمام اوصاف سے واقفیت ہونا بھی ضروری ہے۔ مدرس کو معلوم ہونا چاہئے کہ ترکیبی وقفہ اور کامل وقفہ کے وقت کیا کرنا چاہئے اور سکتہ دارین وغیرہ ہوں تو اُس جملے کو کس طرح پڑھانا چاہئے۔

ثانوی مرحلہ پر درسی کتب کے مندرجہ ذیل مقاصد عام طور پر تسلیم کئے جاتے ہیں:۔

(الف) پسندیدہ ہو (ب) ذوق کی آبیاری کرے (ج) ذہنی اور روحانی سطح پر بالیدگی کا موجب ہو اور (د) تہذیبی ورثے میں شمولیت کے لیے آمادگی پیدا کرے۔

عام ملحوظات

کسی بھی نظام تعلیم میں درسی کتب کا ایک اہم مقام ہے۔ خاص طور سے زبان کی درسی کتاب مدرسے کی ہر سطح پر ایک خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ بیشتر اساتذہ انھیں کتابوں کو ابتدائی اور ثانوی منزل کی تعلیم میں ایک بنیادی وسیلے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا ثانوی سطح پر موثر تعلیم بڑی حد تک اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ طلبہ کو کس قسم کی کتاب پڑھنے کے لیے فراہم کی جاتی ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

زبان کی درسی کتاب اور دیگر مضامین کی درسی کتاب میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ زبان کی درسی کتاب کا مقصد فراہمی معلومات نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعے زبان وادب کی تعلیم اور صحت مند قدروں اور رویوں کا فروغ مقصود ہوتا ہے۔ معلومات کی نوعیت ثانوی اور ضمنی ہوتی ہے۔ مگر دیگر مضامین کی درسی کتاب میں فراہمی معلومات پر زور دیا جاتا ہے۔ اور اسی کی بنیادی مقصد تصوّر کیا جاتا ہے۔ زبان کی درسی کتاب میں نفس مضمون کی تشریح و توضیح کا کام استاد کو کرنا ہوتا ہے۔ لیکن دیگر مضامین کی درسی کتابوں میں نفس مضمون کی تشریح مصنّف بذاتِ خود کرتا ہے۔ اس اعتبار سے زبان کی درسی کتاب استاد کے لیے ناگزیر ہے۔ اسی کے ذریعے وہ طلبہ کے آموزشی تجربات کو فروغ دیتا ہے۔ ان کے اندر شعور وذوق پیدا کرتا ہے۔ اور فرد، سماج اور معاشرے سے متعلق رویّوں کی آبیاری کرتا ہے۔ بحیثیت مجموعی زبان کی درسی کتاب عمل آموزش میں معاون ثابت ہوتی ہے اور شخصیت سازی میں بڑی حد تک ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔

موادِ مطالعہ

زبان کی درسی کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ اس کے ذریعے مطالعے کا جو مواد فراہم کیا جائے وہ بہتر ہو اور قابل تفہیم ہو۔ اس لیے کہ زبان وادب کی مؤثر تعلیم اور شخصیت کی متوازن نشو ونما کا بہت کچھ انحصار مواد مطالعہ کی وقوفی نوعیت پر ہوتا ہے۔ مواد جس قدر واضح اور صاف ہوگا۔ اسی قدر مطالعہ بھی موثر ہوگا۔ اور تفہیم اور تحسین کی بہتر صلاحیت پیدا ہوگی۔ کوئی تحریر قابل مطالعہ اس وقت بنتی ہے جب اس کے مطالعے سے پوشیدہ خیالات اور تصورات اخذ کئے جاسکیں۔ یہ خصوصیت اُس وقت پیدا ہوتی ہے، جب

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

لفظ، جملے اور پیراگراف میں ایک خوشگوار رشتہ پیدا کیا جائے اور ان کے درمیانی روابط کو سہل بنایا جائے۔ اگر مواد مطالعہ میں جملے بے ربط ہوں، بیان میں منطق کا فقدان ہو اور اسلوب بیان ناموزوں ہو، تو وقوف وُر کنا لسانی عناصر کی تعلیم بھی ممکن نہیں۔

مواد مطالعہ کی نوعیت کا ذکر کرتے وقت اس بات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے کہ لسانی اور ادبی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کی تعلیم کا مقصد شخصیت سازی کا بھی ہے۔ جس کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر زبان کی درسی کتابوں کا سرسری جائیزہ لیا جائے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ مطالعہ مواد کا انتخاب کرتے وقت عموماً اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زبان کی درسی کتاب کے زریعے بہت سے منفی رجحانات کی داغ بیل پڑھ جاتی ہے۔ اور ذات پات، چھوت چھات، نسلی برتری اور علاقائی عصبیت کے رجحانات پرورش پانے لگتے ہیں۔ کوئی نظم، غزل یا کہانی ادبی اعتبار سے بہت سی خوبیوں کی حامل ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کا امکان ہے کہ تعقلی، سائنسی اور سماجی اقدار اور تصورات کے لحاظ سے وہ منفی رجحانات کی حامل ہو۔ چنانچہ ایسے ادب پاروں کے مطالعے سے طالب علموں میں پست ہمتی اور شکست خوردگی، عصبیت اور جارحیت کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں حوصلہ اور اُمنگ، رواداری اور ہمدردی پیدا کی جائے۔ پھر یہ کہ ہمارا ملک ایک سیکولر اور جمہوری ملک ہے اس میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ اُردو زبان و ادب کا خمیر خصوصی طور سے اسی تہذیبی رنگارنگی کا مظہر ہے۔ اس لیے زبان و ادب کے مطالعے سے طالب علموں میں قومی ہم آہنگی اور علاقائی مفاہمت کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

انتخاب مواد

زبان کی درسی کتاب کے لیے مواد کا انتخاب کرتے وقت ضروری ہے کہ لسانی اور ادبی دونوں پہلوؤں کو مدِ نظر رکھا جائے۔ اس لیے کہ لسانی اور تصوراتی دونوں قسم کا مواد عام طور سے درسی کتاب میں شامل کیا جاتا ہے۔ زبان اور خاص طور سے مادری زبان کا تصوراتی مواد روزمرّہ کی زندگی، تہذیب وتمدن اور ادبی ورثے سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن دیگر مضامین سے بھی اس کی فراہمی کی جاتی ہے۔ لہٰذا مواد مطالعہ کے وقت مصنّف اور مولّف کو تہذیبی ماخذوں کے علاوہ سماجی اور طبعی علوم سے بھی استفادہ کرنا ہوگا۔ جہاں تک لسانی مواد کا تعلق ہے، اس کی نوعیت بہت ہمہ گیر ہوتی ہے، جس پر پوری طرح قدرت حاصل کرنا عام طور پر بہت مشکل ہوتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مادری زبان بولنے والا زندگی بھر کوشش کرنے کے باوجود مکمل لفظیات پر قدرت نہیں کر سکتا اس کے مقابلے میں تصوراتی مواد کا حلقہ محدود ہوتا ہے۔ اور بڑی حد تک متعین بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا مصنف یا مولف کو اپنی نجی رائے ظاہر کرنے میں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دیگر مضامین کی درسی کتب اور امدادی کتب کے مصنفین کو بڑی حد تک آزادی ہوتی ہے۔

زبان کی درسی کتاب کی تیاری میں اس امر کو ضرور ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔ کہ مواد کو تدریسی تکنیک سے اچھی طرح لیس کیا جائے۔ مثلاً سبق کے آخر میں موزوں سوالات اور مشقیں دینی چاہئیں، سبق کو مناسب توضیحات سے آراستہ کرنا چاہئے۔ اگر تدریسی تکنیک کو درسی کتب کا جزو نہ بنایا جائے تو مواد اور تکنیک میں خوشگوار توازن پیدا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا زبان کی ایک عمدہ درسی کتاب میں مواد کی جامعیت کے ساتھ ساتھ تدریسی مقاصد

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اور تدریسی تکنیک کو بھی اہمیت دینی چاہئے۔

زبان کی درسی کتاب کی تیاری کے سلسلے میں ماہرین تعلیم کی رایوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ زبان کی درسی کتاب تعلیمی ضروریات کے پیش نظر تصنیف کرنی چاہئے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ زبان کی درسی کتاب تالیف کرنی چاہئے۔ جو لوگ تصنیف کے حامی ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ بچوں کو چونکہ زباندانی کی تعلیم دینا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے تعلیمی ضروریات کے پیش نظر ذخیرۂ الفاظ کا تعین کرنا چاہئے۔ اور اسی اصول کے پیش نظر مواد کو بھی ترتیب دینا چاہئے۔ جہاں تک ابتدائی منزل تعلیم کا تعلق ہے یہ بات بڑی حد تک درست ہے، اسلیے کہ اس منزل پر زبان کی تعلیم کا مقصد زبان کی بنیادی مہارتیں سکھاتا ہے۔ لیکن ثانوی اور اعلی ثانوی منزل پر چونکہ زبان کے ساتھ ساتھ ادب کی تعلیم بھی مقصود ہوتی ہے۔ اس لیے لسانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ادبی و جمالیاتی پہلوؤں پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر یہ لازمی امر ہے کہ شعر و ادب کے نمائندہ نمونے منتخب کیے جائیں۔ اور ان کے ذریعے لسانی پہلوؤں کی بھی مشق اور توسیع جاری رہے۔

تالیف کے مسئلے پر اختلاف رائے ہے۔ بعض لوگ مکمل تالیف کے حق میں ہیں۔ ان کے خیال میں ثانوی منزل پر درسی کتاب اقتباسات کا مجموعہ نہیں ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مشاہرین ادب نے کتابیں لکھی ہیں۔ اقتباسات نہیں لکھے ہیں۔ لہٰذا ان کی طرز نگارش کا اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے، جب کہ پوری کتاب پڑھنے کو دِل چاہے۔ اقتباسات کی کتاب پر زبان و ادب کی کتاب کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لیکن

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

زبان کی تعلیم کا وقت دیگر مضامین کی طرح چونکہ محدود ہوتا ہے۔ اور تمام اصناف ادب سے متعارف کرانا چونکہ مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے مکمل کتابیں پڑھنے کے لیے نہیں دی جاسکتیں۔ لہٰذا زبان کی درسی کتاب کی تالیف ناگزیر ہے۔ البتہ اس اعتراض کو بڑی حد تک اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ طویل اقتباسات دیے جائیں تاکہ نمائندہ اسلوب کے نمونے طلبہ کے سامنے آجائیں۔

تصنیف وتالیف کے ہی ضمن میں یہ بحث چھیڑی جاسکتی ہے۔ کہ لسانی مواد کو ترجیح دی جائے یا تصوراتی مواد کو۔ اگر ہم ثانوی تعلیم کے اغراض ومقاصد پر غور کریں، تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس منزل پر طلبہ کو شعروادب سے متعارف کرانا اور ادبی و جمالیاتی قدروں کو فروغ دینا مقصود ہوتا ہے۔ البتہ اسی کے ساتھ ساتھ لسانی مہارتوں کی توسیع کا کام جاری رہے گا۔ لہٰذا ثانوی سطح پر درسی کتاب کی تیاری میں تصنیف کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ کلیتاً یہ کام تالیف پر مشتمل ہوگا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ تالیف میں کاوش سے کام لیا جائے اور ایسے اقتباسات منتخب کیے جائیں، جن سے مصنف کے اسلوب بیان کی نمائندگی ہوتی ہے۔ اقتباسات میں ماخذ کا حوالہ ضرور دینا چاہیے مثال کے طور پر یہ طریقہ مناسب نہیں ہے کہ..... ''گلزارِ نسیم'' سے اقتباس لیا جائے اور شاعر کا نام لکھ دیا جائے۔ ''باغ و بہار'' سے کوئی اقتباس لیا جائے اور نیچے لکھ دیا جائے (''میر امن'')۔ مناسب یہ ہوگا کہ جس کتاب سے اقتباس منتخب کیا گیا ہے اس کا حوالہ دے دیا جائے۔ تاکہ طالب علم اگر چاہے، تو خود ماخذ تک رسائی حاصل کرلے۔

انتخاب کے ضمن میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کس قسم کا مواد اور کتنا مواد زبان کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

درسی کتاب میں شامل کیا جائے۔ یہ کام بھی ایک فن ہے۔ جس میں انتخاب، سلسلہ، تدریج اور ترتیب و پیش کش کا سلیقہ درکار ہوتا ہے۔ اوّل الذکر دو باتوں کا تعلق مواد سے ہے اور آخر الذکر کا تعلق متن، مشق، توضیحات اور دیگر تعلیمی پہلوؤں سے ہے۔ انتخاب مواد کے وقت تنوع، طلبہ کی ضروریات اور دِلچسپیوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ثانوی منزل پر عام طور سے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ مدرسے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ان دِلچسپیوں میں فرق ہوتا ہے۔ اس لیے بعض ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ درسی کتب تیار کی جائیں۔ لیکن یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ زبان کی تدریس کے مقاصد تو دونوں کے لیے ایک سے ہیں۔ البتہ جنس کے فرق کی بنیاد پر ضروریات اور دِلچسپیوں میں فرق ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اسباق کا انتخاب کرتے وقت ان کی دِلچسپیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

دوسرا مسئلہ کہ کتنا مواد درسی کتاب میں شامل کیا جائے۔ اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ کسی مخصوص درجے میں زبان کے لیے ٹائم ٹیبل میں کتنا وقت فراہم کیا گیا ہے۔ اسباق کی تقسیم کا مسئلہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ درسی کتاب میں نظم کا حصہ کتنا ہو اور نثر کا کتنا۔ اس کا فیصلہ بھی ٹائم ٹیبل کی گنجائش پر ہونا چاہیے۔ 3+2+10 اسکیم کے تحت چونکہ ثانوی منزل پر مضامین کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے زبان کی تعلیم کے لیے بھی ٹائم ٹیبل میں وقت کم رہ گیا ہے۔

تعلیمی نقطہ نظر سے درسی کتاب کی تیاری میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ شروع میں آسان اسباق اور بتدریج مشکل اسباق کتاب میں شامل کئے جائیں۔ ان

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اسباق کے درمیان کوئی نہ کوئی معنوی ربط ضرور ہونا چاہئے۔ اس دوران الفاظ کی گنتی اور تعداد بھی اگر پیش نظر رکھی جائے تو مناسب ہو۔

مشقی سوالات

زبان کی درسی کتاب میں مشقی سوالات کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ لہٰذا مشقی سوالات کی تیاری میں مواد کی نوعیت، تدریسی مقاصد، طالب علم کی صلاحیت اور تدریسی تکنیک کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ مشقیں ترتیب و پیش کش کا ایک ضروری حصہ ہیں۔ مشقی سوالات کے زریعے اس بات کی کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ سبق سے متعلق تمام پہلوؤں کا احاطہ کرلیا جائے۔ لیکن اہم نقطے ضرور اس کے اندر شامل کرنے چاہئیں۔ مشقی سوالات کے زریعے لسانی اور ادبی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ معلوماتی قسم کے سوالات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مشق میں زیادہ سے زیادہ ایسے سوالات شامل کرنے چاہئیں جن سے طالب علم میں فکر انگیزی کی ترغیب ہو اور تفہیم اور تحسین کا شعور پیدا ہو۔ سوالات کی توعیت میں تنوع پیدا کیا جائے تو بہتر ہو۔ مختصر جواب اور معروضی قسم کے سوالات بھی مشقوں میں شامل کرنے چاہئیں۔

یوں تو توضیحات بھی درسی کتب کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن توضیحات کی اہمیت ابتدائی درجات کی درسی کتب کے لیے زیادہ ہے۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اس کی اہمیت بہت کم ہے۔ اس لیے کہ اس منزل پر طلبا سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ عبارت کے لسانی اور تصوراتی پہلوؤں پر غور کریں گے۔ لیکن اگر کوئی ایسی تصویر یا منظر کتب میں شامل کرلیا جائے، جو جمالیاتی ذوق کو بیدار کرسکے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

درسی کتب میں پیش لفظ کے طور پر کچھ عام ملحوظات ضرور شامل کرنے چاہئیں۔ ان ملحوظات سے استاد اور شاگرد دونوں استفادہ کر سکتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو اساتذہ کے لیے ضروری ہدایات بھی درج کر دی جائیں۔

ظاہری پہلو

اس بات کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے کہ کتاب کا ظاپری پہلو اسی حد تک اہم ہے جس حد تک کہ وہ تعلیمی استفادے سے معاون ہو۔ اس کی رو سے کتاب کا ڈیزائن دِلکش ہونا چاہئے، اور درجے کی مناسبت سے اس کا انتخاب کرنا چاہئے۔ کتاب کے سائز کے تعین میں بنیادی طور سے اس بات کو مدِ نظر رُکھنا چاہئے کہ طلبہ کتاب کو سہولیت کے ساتھ استعمال کر سکیں۔ کتاب کی جلد مضبوط اور جز بندی کے ساتھ ہونی چاہئے تا کہ کتاب کو کھلی رکھنے میں طالب علم کو کوئی دشواری نہ ہو۔

کتاب کا سرِ ورق دیدہ زیب ہونا چاہئے۔ کاغذ سفید اور موٹا ہو۔ ورنہ چھپائی کا عکس دوسری جانب نظر آئے گا۔ کیوں کہ اس کا آنکھوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح کتاب کے ٹائپ کا سائز یا حروف کا سائز مناسب رکھنا چاہئے۔ اور چھپائی صاف اور ہونی چاہئے۔ درسی کتاب کی قمیت معقول ہونی چاہئے تا کہ طالب علم سہولیت کے ساتھ خرید سکے۔

درسی کتب کا اندازہ قدر

زبان کی درسی کتاب کی تیاری کے سلسلے میں اندازہ قدر کا ذکر ضروری ہے یعنی کن بنیادوں پر زبان کی درسی کتب کی قدر و قمیت کا اندازہ لگایا جائے۔ عام طور پر اس کی صورت

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

یہ ہوتی ہے کہ کتاب کا سودہ تیار ہونے کے بعد کسی ماہر یا ماہرین کی کسی کمیٹی کے ذریعے اس کی قدر قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اور ان کی سفارش کی بنیاد پر نقائص دور کر لیے جاتے ہیں تا کہ چھپنے کے بعد کتاب ان عیوب سے پاک ہو۔

اندازۂ قدر اور پیمائش میں فرق ہے۔ اندازۂ قدر میں کیفیتی اور پیمائش میں کمیٹی قدر و قیمت کا بیان ہوتا ہے۔ لہٰذا اندازۂ قدر کو پیمائش سے خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ اور درسی کتاب کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لیے اندازۂ قدر کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ عام دستور کے مطابق درسی کتب کی خوبی یا خامی کو پرکھنے کے لیے ریویو کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن اندازۂ قدر ریویو سے بھی مختلف طریقہ عمل ہے۔ اندازۂ قدر میں جانچ کی کسوٹی پہلے سے تیار کر لی جاتی ہے۔ اور اس کی نوعیت معروضی ہوتی ہے۔ جب کہ ریویو میں اس قسم کی کوئی کسوٹی پیش نظر نہیں رہتی۔

درسی کتب کا اندازۂ قدر حسب ذیل امور پر مشتمل ہے:-

1۔ انتخاب

2۔ اصلاح

3۔ مطالعہ و تحقیق

انتخاب کے لیے جو معیار مقرر کیے گئے ہیں ان کی بنیاد پر کتاب کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ چونکہ مقصد درسی کتاب کی اصلاح کرنا اور اسے بہتر بنانا ہوتا ہے۔ اس لیے اندازۂ قدر کے ماہرین سے ایسے مشورے طلب کیے جاتے ہیں۔ جن کی بنیاد پر درسی کتب کو بہتر بنایا جا سکے۔ انتخاب اور اصلاح سے متعلق اندازۂ قدر کے نتائج کی بنیاد پر مطالعے اور تحقیق

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کا کام شروع ہوتا ہے۔ محقق کا کام یہ ہے کہ وہ درسی کتاب کے پہلوؤں کی شناخت کرے جو اندازۂ قدر کے مفروضات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس سلسلے میں جو تحقیقی کام ہوئے ہیں، ان کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ عمدہ درسی کتاب میں حسب ذیل خوبیاں ہونی چاہئیں:۔

1۔ کتاب اندازۂ قدر کے معیار پر پوری اترتی ہو اور جس مقصد کے لیے اس کا انتخاب کیا گیا ہے، وہ اس سے پورا ہوتا ہو۔

2۔ معیار معروضی ہو تا کہ اندازۂ قدر کرنے والوں کی شخصی رائے یا پسند و ناپسند کا اس میں دخل نہ ہونے پائے۔

3۔ اندازۂ قدر قابل اعتبار ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مختلف سطح پر ماہرین کی رائے حاصل کی جائے۔

اندازۂ قدر کے کام کو موثر بنانے کے کیے مختلف طریقہ کار اپنائے جاتے ہیں۔ ان میں پڑتالی فہرست، سوالنامہ اور پروفار مازیادہ اہم ہیں۔ لیکن اندازۂ قدر کرنے والوں کو اس بات کی آزادی ہونی چاہئے کہ اپنی سہولیت کے مطابق اس میں ضروری ترمیم کر لیں بشرطیکہ معروضیت کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

اُردو مُدرس کی خوبیاں

Qualities of a language teacher

تعلیمی خوبیاں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

1۔اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا:۔ اُردو مدرس کے ء لیے سب سے پہلے تعلیم کے حوالے سے یہ ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتا کہ وہ اپنے پیشے سے انصاف کر سکے۔ مدرس کی یہ خوبی ہی اُسے اصل میں اس عہدے پر فائز کر دیتی ہے ورنہ وہ کبھی بھی اس سے عہد برآ نہیں ہوسکتا۔ مدرس کی پہچان ہی اُس کی اعلیٰ تعلیم سے ہوتی ہے۔ اور اس ہی کی وجہ سے اُس کی شناخت ایک اچھے مدرس کی حیثیت سے ہوسکتی ہے۔

2۔اعلیٰ علمی صلاحیتوں کا مالک ہونا:۔ ایک مدرس کو چونکہ بہت سارے مختلف ذہنوں کی نشو ونما کرنی پڑتی ہے۔ اور اُن الگ الگ منفی سوچ رکھنے والے بچوں کی تربیت و نشو ونما کرنا کوئی آسان کام نہیں اس لیے اُسے اعلیٰ قسم کی علمی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرنا پڑتا ہے وہ تب ہی جا کر اُن کا استعمال کر سکتا ہے جب وہ ان صلاحیتوں کا مالک ہو۔ اس لیے ایک اچھے مدرس کے لیے لازمی یہ ہے کہ وہ اعلیٰ علمی صلاحیتوں کا مالک ہوتا کہ وہ ایک مدرس کی حیثیت سے اپنے آپ کو اچھا مدرس ثابت کر سکے۔

3۔اپنے مضمون میں مہارت رکھنا:۔ ایک مدرس کے لیے ضروری یہ ہے کہ وہ جو مضمون اپنے اسکول میں پڑھائے اُس پر مہارت رکھتا ہو۔ اگر طلبہ مدرس سے بعض اوقات مضمون سے متعلق کچھ سوالات پوچھیں تو مدرس اُن سوالات کا جواب دینے سے قاصر نہیں ہونا چاہئے۔ اُردو کا مدرس اُردو ادب کی تمام تر علمی اصطلاحات سے واقف ہونا چاہئے۔ تا کہ وہ بچوں کے سامنے اپنی شخصیت اور اعلیٰ کردار کا مالک ہو سکے۔ مدرس کی عزت اُس کی قابلیت پر مبنی ہے۔ اور اگر مدرس اس سے محروم ہے تو وہ حقیقی عزت کے مستحق نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اُردو مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مضمون میں مہارت رکھتا ہو۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

4۔عالمی ادب سے وابستہ ہونا:۔ مدرس کو لازمی یہ ہے کہ وہ قومی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر علمی اور ادبی سرگرمیوں سے وابستہ رہے۔ مدرس ایک ایسی شخصیت کا مالک ہوتا ہے جس پر تو اُس کے شاگردوں میں دکھائی دیتا ہے۔ اور آج کے اس سائینسی و تکنیکی اور انٹرنٹ (Internet) کے دور میں جب کہ ایک سکول گلوبل (Global) سکول اور ایک گاؤں گلوبل گاؤں (Global Village) بن گیا ہے۔ بچے بھی گلوبل حالات سے واقف ہونے چاہئیں۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے اگر ایک استاد موجودہ عالمی ادب سے اپنی وابستگی رکھے ہوئے ہے۔

5۔علمی چاہت رکھنے والا ہونا:۔ ایک اچھا مدرس ہمیشہ علم سے وابستہ رہتا ہے وہ کبھی بھی علمی چاہت کو اپنے دِل سے جانے نہیں دیتا ہے۔ ایک اچھا مدرس ہمیشہ موجودہ اور نئی آنے والی علمی اصطلاحات اور صلاحیتوں سے فائیدہ حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے طلبہ کی رہنمائی اور نشو ونما کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایک اچھے مدرس کے لیے لازمی ہے کہ وہ نئی آنے والی اور موجودہ علمی صلاحیتوں سے ہمیشہ جُوا رہے اور ہمیشہ علمی چاہت رکھتا ہو، تا کہ وہ ہر مرحلے پر طلبہ کی مشکلات کا حل کر سکے۔

6۔علمِ نفسیات کا ماہر ہونا:۔ مدرس کا پیشہ ایک معزز اور باوقار پیشہ ہوتا ہے۔ اُس کے سامنے ایک بہت بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ اُسے بے ڈول پتھروں سے خوبصورت بُت تراشنے ہوتے ہیں اور اُنھیں بہترین سانچے میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اپنی عزت اور وقار بھی قائم رکھنا ہوتا ہے۔ بحر الحال مختلف ذہن رکھنے والے طلبہ کی ہمہ جہت نشو ونما میں ایک مدرس کو ضرور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے مدرس کا ماہر نفسیات

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Srinagar

ہونا بہت ضروری ہے تا کہ وہ بچوں کا خیال نفسیاتی طور پر رکھے اور اُنھیں اُلجھنے سے پہلے ہی ترقی اور اصلاح کی طرف راغب کرے۔ مدرس کو نفسیاتی طور پر طلبہ کا خیال رکھنا ہے اور اس طرح وہ اُن کی طبعیت کا سدھار کرنے میں مہارت حاصل کر سکتا ہے۔

7۔قواعد پر عبور رکھنے والا:۔ اُردو کے مدرس کے لیے لازمی ہے کہ وہ اُردو قواعد کا علم بخوبی جانتا ہو۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے قواعد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور بغیر قواعد کے کوئی بھی مدرس زبان کا مکمل اُستاد نہیں ہوسکتا ہے۔ اُردو مدرس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ صرف ونحو، عروض وبیاں اور اسم، فعل وحرف کا مکمل علم رکھتا ہو۔ تا کہ طلبہ کے سامنے کسی بھی مرحلے پر پڑھانے سے قاصر نہ پڑ جائے۔

8۔اُردو کی تمام اصناف ادب پر عبور رکھنے والا:۔ قواعد کے ساتھ ساتھ اُردو کے مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُردو ادب کی تمام تر اصناف ادب پر مہارت لیے ہوئے ہو۔ اُردو نثر ونظم کی تمام تر اصناف سے اُردو کے مدرس کو بخوبی واقفیت ہونی چاہئے۔ اُردو شاعری کی غزل، نظم، قصیدہ، مرثیہ، رُباعی وغیرہ وغیرہ جتنی بھی اصناف شاعری ہیں اُن کے اصول وضوابط اور تعریف وخصوصیات سے اُردو مدرس جانکاری رُکھتا ہوتا کہ وہ طلبہ کے اندر اُردو شاعری کی تدریس کا حق ادا کر سکے اور طلبہ میں ندر شاعری کا مذاق پیدا کر سکے۔ اسی طرح سے مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُردو نثر کی بھی تمام تر اصناف، داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ، خاکہ نگاری اور دیگر اصناف ادب پر دسترس رکھتا ہوا تا کہ وہ طلبہ کے اندر اُردو نثر کی چاشنی پیدا کر سکے۔

9۔اُردو بول چال اور تلفظ کا صحیح استعمال کرنے والا:۔ زباندانی کا استاد اُس کے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

لب ولہجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اُس کے جملوں کی ادائیگی اور الفاظ کا تلفظ ہی اُس کے اُستاد ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ اُردو مدرس کا یہ اوّلین فرض ہے کہ اُس کی بول چال خالص اُردو میں ہو اور اُس کے الفاظ کا تلفظ بالکل صحیح ہوتا کہ اُس کی اس خاصیت کا اثر اُس کے طلبہ پر بھی پڑ سکے۔ اس لیے زباندانی یعنی اُردو کے مدرس کے لیے ضروری یہ ہے کہ اُس کی بول چال اور تلفظ کا استعمال خالص اُردو کا تلفظ ولب ولہجہ ہو۔

ذاتی خوبیاں

1۔ اعلیٰ سیرت وکردار کا مالک ہونا:۔ مدرس چونکہ طلبہ کے سامنے ایک نمونہ ہوتا ہے جس کے ہر فعل کی نقل طلبہ کرتے ہیں۔ اور اُسے اپنا (ماڈل) نمونہ بنا کر اُس کی طرزِ روش پر چلتے ہیں۔ ایک استاد کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذاتی خوبیاں طلبہ کے سامنے ظاہر کرے۔ مدرس صرف درس وتدریس تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں اپنی شخصیت کا عکس پیش کرتا ہے۔ سیرت وکردار کے تحت ایک اچھے مدرس کو درج ذیل تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

(الف) گفتار:۔ ایک اچھا مدرس طلبہ کی شخصیت پر ہمہ جہت اثرات ڈال دیتا ہے۔ مدرس کو چاہیئے کہ وہ جماعت میں اور جماعت کے کموے کے علاوہ بھی اپنی گفتار کا خاص خیال رکھے۔ کیوں کہ طلبہ ہمیشہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اپنے مدرس کی نقل کر کے اُس ہی جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ قوتِ گفتار ایک خُدا داد نعمت ہے لیکن خوش گفتار اور عام گفتار میں بہت فرق ہے۔ مدرس کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ بامعنی الفاظ اپنی زبان سے ادا کرے جن میں شائستگی ادب احترام اور شیرینی موجود ہوتا کہ بچہ اُس کی نقل کر کے اپنی دُنیا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اور عاقبت سنواریں۔

(ب) دستار:۔ مدرس کا پیشہ ایک معماری کا پیشہ ہوتا ہے۔ ایک اچھے مدرس کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ طلبہ کے کردار تعمیر کرتا ہے۔ اور ایک کردار کو تعمیر کرنا کوئی چھوٹی بات نہیں ہوتی۔ وقت اور زمانے کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مدرس کا فرض بنتا ہے کہ وہ طلبہ کی شخصیت پو اثر انداز ہو جائے۔ مدرس کو چاہیئے کہ وہ اپنا لباس اور اپنی ظاہر شخصیت مثبت انداز سے پیش کرے۔ وہ کوئی اسا طرح کا لباس نہ پہنے جس سے طلبہ پر منفی اثرات نہ پڑیں۔ مدرس کو چاہئے کہ وہ معزز اور معتبر لباس پہنا کرے تا کہ طلبہ بھی اسی طرح کا لبا پہننے کے عادی بن جائیں۔

(ج) رفتار:۔ انسانی زندگی کی ترقی و ترویج میں عمل کا بہت دخل ہے۔ اعمال ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی بدولت طلبہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو سکتے ہیں۔ مدرس کو بچوں کے سامنے ایسی مشنت رفتار رکھنی چاہیئے کہ اُس سے اچھی اچھی چیزیں اخذ کر سکیں۔ اور طلبہ کا ہر فعل کے افعال پر مبنی ہو جائیں۔ مدرس کی رفتار ہی ایک ایسی شے ہے جو جس کا بہترین پرتو اُس کے طلبہ سے ملتا ہے۔

2۔ اعلیٰ شخصیت کا مالک:۔ مدرس کی شخصیت کسی بھی ملک و سماج میں بہت عزت و احترام کے قابل ہے۔ طلبہ کے ساتھ ساتھ تمام لوگوں لے لیے مدرس ایک قابلِ احترام شخصیت ہوتی ہے۔ ایک اچھے مدرس کو چاہئے کہ وہ اپنی شخصیت کو زندگی کے بہترین آداب سے سنوارے تا کہ طلبہ کے سامنے اُسکی حقیقی عزت ظہور پزیر ہو جائے اور وہ اپنے مدرس کی ہمہ جہت شخصیت کا عکس قبول کر لیں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

3۔قوتِ برداشت رکھنے والا:۔ ایک اچھے مدرس کے اندر برداشت کی قوت کافی زیادہ ہونی چاہئے۔ایک اچھے مدرس کی خاصیت ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ صبر کا دامن کسی بھی مرحلے پر چھوڑنہیں دیتا۔ مدرس کا پیشہ چونکہ ایک ایسا پیشہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ مختلف زہنوں کی نشوونما ایک ساتھ کرتا ہے۔طلبہ سے کئی گئی بہت ساری کوتاہیاں اُسے نظر انداز کرنی پڑتی ہیں۔ اور اُسے چاہئے کہ وہ نفسیاتی طور پر بچے کو اچھائی کی طرف راغب کرلے۔طلبہ کی سٹیج چوں کہ ایک لاوبانی سٹیج ہوتی ہے اس لیے مدرس کوقوت برداشت اور صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔تاکہ وہ طلبہ کوزہنی اورنفسیاتی طور پر مائیل کرسکے اوراُنھیں ترقی کی راہ پرگامزن کرسکے۔

4۔ایک منظم فلسفۂ زندگی کا پیروکار:۔ ایک اچھے استاد کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک مکمل اور منظم فلسفۂ زندگی کا پیرا کار ہوتا ہے۔وہ قول کا پکا، ارادے کا پختہ اورزبان کا سچا ہونا چاہئیے۔فلسفۂ زندگی کا سمجھنا اوراسے اپنی زندگی میں رائج کرنا ایک مشکل کام ہوتا ہے۔لیکن ایک مدرس تب تک نامکمل مدرس ہے جب تک وہ ایک منظم فلسفۂ زندگی کا پیروکار نہ ہو۔فلسفۂ زندگی زندگی کے ہر پہلو کی عکاسی کرتا ہے اور مدرس کی زندگی اور شخصیت کی پہچان ہی اُس کے فلسفے سے ہوتی ہے۔

5۔وقت کا پابند ہونا:۔ مدرس اپنے طلبہ سے وہی توقعات وابستہ رکھ سکتا ہے جو وہ خود کرکے دکھائے۔ کیوں کہ طلبہ ہرصورت میں اُستاد کا عکس پیش کرتے ہیں اگرخود مدرس بجائے دس ۱۰ بجے کے گیارہ ۱۱ بجے کلاس میں حاضر ہوجائے تو وہ کس طرح یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ اُس کے طلبہ وقت کے پابند رہیں۔ایک اچھے مدرس کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ وقت کا پابند

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab, Jammu

رہے تا کہ اُس ہی کی عادات واطوار سے طلبہ بھی اپنی عادات اور طور طریقوں کو درست کر سکیں۔

6۔خوش مزاج اور ملنسار:۔ خوش رہنا ایک طبعی احتجاج ہی نہیں بلکہ ایک اخلاقی زمے واری بھی ہے کیوں کہ ہماری ہر حالت کی چھوت دوسروں کو لگ سکتی ہے۔ایک غمزدہ چہرہ سیکڑوں مسکراتے ہونٹوں کو ایک لمحے میں مغموم کر سکتا ہے اور ایک خوش مزاج فرخندہ انسان سیکڑوں غمزدہ انسانوں کو اپنی ہنسی، خوشی اور خوش مزاجی سے ہشاش بشاش اور خوش کر سکتا ہے۔مدرس کا چونکہ طفلِ مکتب سے وابسطہ ہوتا ہے۔اس لیے اُسے کلاس میں جانے سے پہلے ہی اپنی خندہ پیشانی کے ساتھ کلاس میں داخل ہونا چاہئے۔

ملنساری ایک بہترین قوت ہے جس سے انسان دُنیا کی ہر محفل میں اپنی جگہ نکال سکتا ہے۔ایک ملنسار اور خوش مزاج آدمی واقعی ستاروں میں ستاروں کی طرح چمک کر اور پھولوں کی صف میں پھولوں کی طرح مہک کر جلوہ گر ہوتا ہے اور ہر جگہ اپنی انفرادیت کا لوہا منواتا ہے۔ٹھیک اسی طرح ایک اچھے مدرس کے اوصاف حمیدہ بھی ان ہی خصوصیات کے ساتھ معمور ہونے چاہئے تا کہ وہ طلبہ کے لیے ایک دِلکش اور بہترین مرکز ومحور ثابت ہو جائے۔

7۔معاملہ فہم:۔ ایک اچھے مدرس کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ معاملہ فہم ہوتا ہے۔وہ ادارے، جماعت اور طلبہ کے معاملات میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔مدرس کو چاہئے کہ جلد سے جلد معاملات کی تہہ تک پہونچ جائے اور بہت سارے مسائل کو اُلجھنے سے پہلے ہی حل کر لے۔ایک مدرس چونکہ گھر کا رکھوالا اور بڑا آدمی ہوتا ہے اُس کی ذمہ داری یہ ہوتی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے کہ وہ طلبہ کے اندرونی اور بیرونی دونوں معاملات پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہو۔ اور وہ فہم وادراک بھی رکھتا ہو جس کے ذریعے یہ معاملات حل کیے جاتے ہیں۔

8۔قوت فیصلہ کا شعور رکھنے والا:۔ ایک اچھے مدرس کو ہمیشہ نئی نئی سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُسے ہر ہمیشہ نئی سے نئی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اُس کے لیے یہ خصوصیت کافی اہمیت کے حامل ہے۔ فیصلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مدرس کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ وہ کسی بھی مرحلے پر کوئی غلط فیصلہ نہ کرے۔ کیوں کہ وہ طلبہ کے سامنے ایک منصف کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ طلبہ بھی اُس ہی کی شخصیت سے انصاف کا پرتو حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے مدرس کے اندر قوت فیصلہ کا کافی شعور ہونا چاہئے۔ ان ہی خصوصیات کی بنا پر وہ ایک اچھا مدرس تصور کیا جاسکتا ہے۔

9۔حبُ الوطنی کا جذبہ رکھنے والا:۔ طلبہ مدرس کی شخصیت کا ہر پہلو اخذ کرتے ہیں اگر مدرس کے اندر یہ خاصیت ہو تو طلبہ بھی اسے خندہ پیشانی سے قبول کرتے۔ حُب الوطنی کا جذبہ ایک متحرک جذبہ یہ ہوتا ہے جو مدرس کے ساتھ ساتھ طلبہ کے اندر بھی جوش پیدا کرتا ہے۔ مدرس کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے وطن کے ساتھ محبت رکھتا ہو وہ جغرافیائی حُب الوطنی ہو یا سیاسی غرض مدرس ہر پہلو سے محبِّ وطن ہونا چاہئے تا کہ طلبہ بھی اس جذبے سے فیضیاب ہوسکیں۔

پیشہ وارانہ خوبیاں

1۔اپنے پیشے سے محبت ہونا:۔ مدرس ایک پیشہ وارانہ مدرس ہونا چاہئے۔ مدرس کو ہمیشہ یہ نہ لگنا چاہئے کہ اُسے زبردستی اس کام میں لگا دیا ہے۔ بلکہ وہ ایک ماہر اور اپنے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اس پیشے سے پیار رکھنے والا ہونا چاہئے۔ بہت سے مدرس ایسے ہوتے ہیں جو ایک اچھے اُستاد کے تمام اوصاف سے محروم ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے اس پیشے سے محبت رُکھتے ہیں۔ اس طرح سے وہ اس مدرس کے پیشے سے انصاف نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ خود کو اچھے اُستاد کی حیثیت سے ثابت کر سکتے ہیں اس لیے ضروری یہ ہے کہ مدرس کو سب سے پہلے اپنے پیشے سے محبت ہونی چاہئے۔

2۔ اپنے فرض کو پورا کرنے کا احساس ہونا:۔ مدرس کو اپنے اس پیشے سے محبت کے ساتھ ساتھ اپنے فرض کو ادا کرنے کا بھی احساس ہونا چاہئے۔ بعض اُستاد ایسے ہوتے ہیں کہ جو دن بھر جتاتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے اس مدرسی کے پیشے سے بہت محبت ہے۔ لیکن جو اُن کا فرض ہے اُسے وہ پورا نہیں کرتے۔ اس لیے مدرس کو چاہئے کہ وہ اپنے اس پیشے کے تمام فرائض اور لوازمات پورا کرے اور اُن کو پورا کرنے کا احساس بھی اُسے پورا پورا ہونا چاہیے۔ اس ہی طرح وہ اپنے اس فرض کو ادا کر سکتا ہے اور خود کو بھی ایک اچھا اُستاد ثابت کر سکتا ہے۔ تاکہ طلبہ بھی اُس سے یہ فرض شناسی سیکھ سکیں۔

3۔ اعلیٰ طریقۂ تدریس کا ستعمال کرنے والا:۔ مدرس کو چاہئے کہ وہ درس و تدریس کے سلسلے میں اعلیٰ طریقۂ تدریس استعمال میں لائے۔ مدرس کو اگر چہ اپنے اس پیشے سے لگن ہے تو اُسے چاہئے کہ تمام طلبہ یکساں و برابر ترقی کرتے جائیں۔ بہر حال تمام طلبہ ذہانت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے اس لیے یہاں مدرس کی قابلیت کا مظاہرہ دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ اسے اپنے کام میں کھرا اُتر سکتا ہے۔ اس لیے اُسے چاہئے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ طریقۂ تدریس کا استعمال کرے تاکہ وہ طلبہ کی ہمہ گیر و منجملہ ترقی کر سکے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

4۔طلبہ کو تعلیم کی طرف راغب کرنا:۔ مدرس نفسیاتی طور پر طلبہ کی پہچان رکھنے والا ہونا چاہئے۔ اُس طلبہ کے زہن اور دِلچسپی کے بارے میں پتہ ہونا چاہئے۔ اُسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیا کر کے تعلیم کی طرف راغب ہو سکتے ہیں ایک اچھے مدرس کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ غیر دِلچسپ اور بے مزہ طلبہ کو بھی تعلیم کی طرف راغب کر دیتا ہے اور اس طرح وہ طلبہ کے ذہنی معیار کو بدلنے میں کامیاب رہ سکتا ہے۔

5۔اپنے پیشے سے تسلی بخش رہنا:۔ ایک اچھا مدرس حالات وواقعات کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ ہر حالت میں تسلی بخش رہتا ہے اور اپنے آپ کو بدلتے ہوئے حالات میں بدل دیتا ہے اور زمانے کی طبعیت کے ساتھ ساتھ اپنی طبعیت بھی تبدیل کرتا رہتا ہے۔ ایک اچھے مدرس کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اپنے سے تسلی بخش رہے اور وہ کبھی بھی یہ شکایت نہ کرے کہ وہ اس پیشے سے خوش نہیں ہے۔ جو مدرس اپنے پیشے سے خوش ہے وہ کبھی بھی اپنے فرائض پورے انجام نہیں دے سکتا ہے۔

6۔درس وتدریس کو موثر اور دِلچسپ بنانا:۔ ایک اچھا مدرس درس وتدریس کے حوالے سے ایک غیر دِلچسپ سبق کو بھی بڑے موثر اور دِلچسپ پیرائے میں ڈھال کر بیان کرتا ہے۔ تا کہ طلبہ بھی خوشی خوشی موجودہ سبق کو پڑھنے کے لیے راضی ہو جائیں۔ ایک اچھے مدرس کے اوصاف حمیدہ میں یہ ہی خاصیت ہوتی ہے کہ وہ معمولی اور غیر دِلچسپ باتوں کو بھی مزے مزے اور موثر واہم بنا کر پیش کرتا کہ درس وتدریس کی چاشنی برقرار رہے۔

سماجی خوبیاں:۔ مدرس چونکہ سماج کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی صورت میں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سماج سے الگ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اُس میں سماج سے متعلق تمام گُر اور ہنر ہونے چاہئیں۔ کیوں کہ وہ سماج اور طلبہ کے درمیان ایک کڑی ہے جو ہمیشہ انھیں جوڑے رکھتا ہے۔

1۔ اعلیٰ اخلاقی اقدار کا مالک ہونا:۔ مدرس چونکہ سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اُس کی شخصیت سے سماج کی تمام خوبیاں جھلکی ہیں اور طلبہ مدرس سے یہ تمام خوبیاں اخز کر لیتے ہیں۔ اور پھر ان خوبیوں کو اپنانے لگتے ہیں۔ مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ اخلاقی خوبیوں کا مالک ہوتا کہ وہ سماج کے اندر قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے اور طلبہ بھی اُس سے کچھ اچھا اخز کر سکیں۔

2۔ جمہوری اصولوں کا پابند ہونا:۔ مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جمہوریت کے تمام اصولوں کی پیروی کرتا ہو۔ کیوں کہ سماج کے اندر اُسی شخص کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے جو برابری اور رواداری کے اصول کو اپنائے ہوئے ہو۔ مدرس جو کہ سماج کا ایک ذمے دار شخص ہوتا ہے اس لیے اُسے ضروری یہ ہے کہ وہ طلبہ کے ساتھ بھی برابری اور جمہوریت کا لحاظ رکھ کر یکساں طور پر پیش آئے۔ اور پھر طلبہ بھی اس ہی طرح اپنے مُعلم کے کردار کو دُہراتے ہیں اور خود بھی جمہوری قوتوں پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

3۔ انصاف پسند ہونا:۔ مدرس ہمیشہ انصاف پسند ہونا چاہئے۔ مدرس کے سامنے طرح طرح کے طلبہ ہوتے ہیں۔ وہ اُن کے ساتھ یکساں و برابر پیش آئے۔ اور ہر بچے کے ساتھ برابر انصاف کرے تا کہ کوئی بھی بچہ اُس کی بے توجہی کا شکار نہ ہو سکے۔ اور کوئی بچہ اُس کی بے انصافی کی وجہ سے کسی مصیبت کا شکار نہ ہو سکے۔ مدرس کو ہمیشہ صبر اور انصاف سے کام لینا چاہئے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

4۔قومی یکجہتی اور اتحاد کا پیروکار ہونا:۔ ایک اچھا مدرس ہمیشہ اتحاد کی تلقین کرتا ہے اور وہ ہمیشہ خود بھی ان اصولوں پر کاربند ہوتا ہے۔ مدرس کے لیے لازمی ہے کہ وہ فرقہ وارانہ فسادات نہ پیدا کرے اور اگر کبھی ایسا ہو بھی تو وہ ان پر جلدی سے قابو پائے اور تمام طلبہ کو قومی یکجہتی کی اہمیت سے آگاہ کرلے۔ اور اسی طرح طلبہ اپنے اندر قومی یکجہتی اور اتحاد و ایکتا کے حامی ہو سکتے ہیں۔

5۔آدابِ زندگی کا اپنانے والا:۔ ایک مدرس کو چاہئے کہ وہ زندگی سے مُتعلق تمام آداب کو مکمل اور عملی طور پر اپناتا رہے۔ وہ زندگی کا ایک منظم فلسفہ رکھتا ہے اور اُس ہی فلسفہ کے تحت اپنی زندگی بسر کرتا ہے تاکہ سماج میں اُس کا رُتبہ اعلیٰ پائے کا رہے۔ مدرس کو چاہئے کہ زندگی کے تمام آداب کو عملی طور پر اپنائے تاکہ طلبہ بھی اُس کی اس خاصیت سے فیضیاب ہوسکیں اور اپنے مدرس کی شخصیت کا کچھ اثر اُن پر بھی پڑ سکے۔

زائد از نصابی مصروفیات

(Co-curriculler Activities)

اگرچہ زائد از نصاب مصروفیات کی اصلاح نئی ہے۔ لیکن جہاں تک ان مصروفیات کا تعلق ہے وہ نئی نہیں ہیں۔ یہ اتنی قدیم ہیں جتنا کہ تعلیمی نظام۔ ان مصروفیات میں سے اکثر اپنی ترقی یافتہ صورت میں قدیم مدارس میں پائی جاتی رہی ہیں۔ مثلاً ڈرامے مباحثے موسیقی۔ خصوصی یوم اور عوامی تقاریب وغیرہ۔

زائد از نصاب مصروفیات طلبہ میں مدرسہ سے دِل چسپی کو بڑھاتی ہیں۔ ایسے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

طلبہ کو اسکول کی زائد از نصاب مصروفیات میں حصہ لیتے ہیں ان میں اجتماعی زندگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ان کی وجہ سے طلبہ مدرسہ سے بے زارگی محسوس نہیں کرتے۔ ان سے اُردو کی تدریس میں بڑی حد تک کام لیا جاسکتا ہے ان کی مدد سے اپنے طلبہ میں ذوق ادب پیدا کر سکتا ہے۔

1۔ بزم ادب:۔ اکثر اسکولوں میں بزم ادب کا رواج نہیں مگر بزم ادب کا قیام طلبہ کے لیے بڑا مفید ہوتا ہے۔ کئی طلبہ تقریر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لیکن مضمون نویسی میں ماہر ہوتے ہیں چوں کہ بزم ادب کے جلسوں میں عام طور پر مقالے اور مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ اس لیے طلبہ کو اپنا مافی الضمیر لکھ کر پڑھنے میں بڑی سہولیت ہوتی ہے۔ اور اس لیے وہ بزم ادب کے جلسوں میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیتے ہیں۔ اس طرح مدرسہ میں ایک قسم کا ادبی ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ بزم ادب کا اسکولوں میں قائم کرنے کا اصل مقصد یہ بھی یہی ہے کہ۔

بزم ادب کے جلسوں میں جو مضامین پڑھے جائیں ان پر بحث ومباحثہ کے لیے کامل آزادی اور وقت درکار ہے۔ بحث ومباحثہ کی وجہ سے طلبہ کو اس قسم کی موضوع سے دِلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ قوت فیصلہ کی مشق ہوتی ہے۔ اور ذوق ادب میں نشوونما ہوتی ہے بزم ادب کے جلسوں کو صرف مضامین اور مقالے پڑھنے کی حد تک محدود نہیں کرنا چاہئے یا پھر کسی قابل مدرس کو جو اپنی وسیع معلومات اور تجربہ کی روشنی میں طلبہ کی صحیح رہنمائی کر سکے۔

2۔ اسکول میگزین:۔ تعلیم سے متعلق غیر نصابی سرگرمیوں میں سکول میگزین ایک موثر اور اعلیٰ قسم کی سرگرمی ہے۔ خصوصاً ادب کے حوالے سے سکول میگزین کی گراں قدر

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

خدمات ضرور قابل ستائش ہیں۔ اسکول میگزین طلبہ کے اندر ایک ادبی ذوق پیدا کر دیتی ہے اور ادب کی چاشنی سے طلبہ واقف ہو جاتے ہیں۔ اُن کے اندر ادب تخلیق کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ادب کی اعلیٰ قدروں سے بھی طلبہ روشناس ہو جاتے ہیں۔ زباندانی اور خصوصاً اُردو زبان و ادب کی ترقی کے سلسلے میں سکول میگزین کا رول نہایت اہمیت کے حامل ہے۔ ثانوی اسکولوں میں چاہئے کہ سکول میگزین کا کام بڑے انہماک سے شروع کیا جائے تا کہ طلبہ اس سرگرمی میں اپنی حصہ داری لے سکیں۔

3۔ انجمن مباحثہ:۔ اسکولوں میں انجمن مباحثہ کا قیام ضروری ہے اس انجمن کے قیام سے طلبہ کو مختلف مسائل پر اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح ان کی تحریر و تقریر کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ انجمن مباحثہ کا انتظام طلبہ کے ہاتھوں میں ہونا چاہئیے۔ انجمن کے مختلف عہدوں مثلاً نائب صدر، سیکرٹری وغیرہ کے لیے باقاعدہ انتخابات کیا جانا چاہئے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مدرسہ کے تمام طلبہ انجمن مباحثہ کے جلسوں میں تقاریر کر سکیں لیکن اس حقیقت سے کو یہ بھی انکار نہیں کر سکتا کہ تقاریر سننے سے بھی طلبہ کو کافی فائدہ پہنچتا ہے۔ اس طرح جب طلبہ اپنے ساتھیوں کو تقاریر کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے دِل و دماغ میں تقریر کرنے کا جذبہ موجزن ہوگا اور اس طرح مقررین طلبہ کی تعداد تبدریج بڑھتی جائے گی۔ اگر تقاریر کے لیے عنوانات آسان ہوں تو کم سن طلبہ بھی حصہ لے سکیں گے۔ بعض اوقات طلبہ موضوع سے ہٹ جاتے ہیں۔ اس لیے مدرس کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مدرس کا اوّلین فرض ہے کہ وہ طلبہ کو تقاریر کرنے کے طریقوں سے واقف کرائے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ایسے موضوع کا انتخاب کرنا چاہئے جو دِل چسپ ہو اور طلبہ آسانی سے معلومات فراہم کرسکیں۔ مدرس کا فرض ہے کہ طلبہ کو ہدایت دے کہ وہ کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں اور ساتھ ہی ساتھ خود اپنی رائے کو ضرور پیش کریں۔ اس طرح اگر صحیح رہنمائی اور نگرانی میں انجمن مباحثہ کے جلسے منعقد ہوں تو ان سے اُردو کی تدریس میں خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

4۔ ڈرامے:۔ کمرۂ جماعت کے باہر جن مشاغل کے اہتمام کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ ان میں ڈرامے تعلیمی اعتبار سے بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ڈراموں کے ذریعے طلبا کو مکالموں کی ادائیگی کا عملی تجربہ حاصل ہوتا ہے۔

ڈرامے کو اُردو ادب میں ابھی وہ مقام حاصل نہیں ہو پایا ہے۔ جو دیگر ترقی یافتہ زبانوں میں اُسے حاصل ہے۔ ایک دشواری تو یہ ہے کہ ثانوی سطح کے طلبہ کے لیے اُردو میں ڈرامے بہت کم لکھے گئے ہیں، تاہم استاد ڈراموں کی تلاش وجستجو میں اگر محنت اور توجہ سے کام لے، تو طالب علموں کی عمر اور ماحول کے مطابق ڈرامے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہاں اس نازک فرق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مدرسے کے کتب خانے میں ایسے ڈرامے مل جاتے ہیں۔ جنھیں پڑھنے میں طلبہ کو دِلچسپی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ وہ ان ڈراموں کو پڑھ کر کتب خانے میں واپس کردیتے ہیں۔ لیکن اس طرح ڈراموں کے پڑھنے سے طلبہ میں اتنی دِلچسپی نہیں پیدا ہوتی جتنی ان ڈراموں کو اسٹیج کرنے سے طلبہ کے اندر تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس قسم کے ڈراموں کے افراد طلبہ کے تصور میں زندہ جاوید نہیں ہو پاتے اور نہ وہ اُن سے مانوس ہی ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان ڈراموں سے جو لطف

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

حاصل کرنا چاہئے وہ طالب علم حاصل نہیں کر پاتے۔ اس لیے ایسے ڈرامے فراہم کرنے میں استاد کو پیش رفت کرنی چاہئے، جن کے واقعات اور افراد سے طلبا دلچسپی محسوس کر سکیں۔

ڈرامے میں حصہ لینے اور اداکاری سے بہت سے مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خاص طور سے رول کا انتخاب کرتے وقت طلبا کے اندر غور وفکر اور شعوری طور پر یہ تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ڈرامے کے افراد کی شخصیت کے پیش نظر کس طالب علم کے لیے کون سا کردار مناسب ہوگا۔ پھر مناظر، لباس اور دیگر تفصیلات پر تبادلۂ خیال کرنے سے نہ صرف طلبا کی معلومات میں اضافہ ہوگا، بلکہ اُن کے اندر جوش عمل بھی پیدا ہوگا، جو مسرت کا سرچشمہ ہے۔

ڈرامے کے ذریعے طالب علموں کو مکالموں کی طرز پر الفاظ اور جملوں کی ادائیگی کا فن سکھایا جا سکتا ہے اور طلبہ کو اس بات کی تربیت دی جا سکتی ہے کہ لب ولہجہ کی تبدیلی اور آوازوں کے زیر وزبم سے مکالموں میں کس طرح جان ڈالی جا سکتی ہے۔

5۔ کوئز پروگرام: ۔ کوئز پروگرام کو اُردو میں ''ہزل'' اور ''پہیلی'' کہتے ہیں۔ زائد از نصاب مصروفیات میں کویز پروگرام کی اہمیت نہایت مُسلّم ہے۔ کویز سے طلبہ میں خود اعتمادی آجاتی ہے اور طلبہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کویز پروگرام کی اہمیت اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ پروگرام پرائمری سطح پر بھی شروع ہوسکتا ہے۔ اور طلبہ ابتدائی درجوں سے ہی مقابلہ کرنے کی مشق کرتے ہیں۔ کویز پروگرام ادبی لحاظ سے بھی کافی اہم ہے اور زائد از نصابی سرگرمیوں میں اس پروگرام کی انفرادیت اور افادیت کافی اہمیت کے حامل ہے۔ مدرس کو چاہئے کہ وہ طلبہ میں خود اعتمادی کے لیے کویز پروگرام وقتاً فوقتاً شروع

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کرے۔

6۔ مشاعرہ : ۔ادبی و ثقافتی لحاظ سے مشاعرے بہت اہمیت رُکھتے ہیں۔ مشاعروں کے ذریعے طلبہ زبان کی جاذبیت، رنگینی اور دِلکشی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور اپنی زبان اور زبان کے توسط سے شعروادب سے محبت کرنا سیکھتے ہیں۔

ثانوی مدارس میں مشاعروں کا انتظام کرانے میں دشواریاں ضرور پیش آتی ہیں، لیکن اگر مدرسے کا نگران یا اُردو کا استاد خوش تدبیر ہے، تو سال میں ایک بار مشاعرے کا اہتمام ناممکن نہیں۔ عام طور پر قصبوں اور شہروں میں مشاعرے ہوتے رہتے ہیں۔ ان سے فائیدہ اُٹھا کر مدرسے کے اندر بھی مشاعرے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدرس کے اندر ایسے اساتذہ بھی موجود ہوتے ہیں، جو شعروشاعری سے شغف رُکھتے ہوں۔ یہ اساتذہ اپنے طلبا میں مشاعروں کے زریعے نہ صرف شعروشاعری کا چرچا کر سکتے ہیں، بلکہ ان میں بعض کو جو تخلیقی صلاحیت کے حامل ہوں، خود بھی شعر کہنے پر اکسا سکتے ہیں۔ مشاعروں میں شرکت کر کے طلبا حسنِ بیاں، حسنِ ادا اور نشست و برخاست کے مہذب طریقوں سے واقف ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ثانوی مدرسے کے اندر سال میں کم سے کم ایک بار مشاعرہ منعقد کرانے کی ضرور کوشش کرنی چاہیے تا کہ اس قسم کی ادبی جلسوں کا انتظام کرنے کی اُنھیں عملی تربیت حاصل ہو جائے۔

زبان دانی سے متعلق ارتقائی ہنر (گُر) کا جائزہ مختصراً پیش کیجئے

انسان جسے اس دنیا میں تمام مخلوق میں اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

زبان دنی ہی ایسی قوت ممتاز ہے۔ جس نے بہت حد تک انسان کے درجہ میں اشرف مخلوقات کے درجے کا اضافہ کرنے میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ ہر انسان با آسانی اپنے مافی الضمیر کا اظہار بہ وسیلۂ زبان آسانی سے کرتا ہے۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار، رابطے کا اظہار، خوشی اور غمی کی کیفیت کا بیان اس ہی زبان کے ذریعے کرتا ہے۔ اگر چہ حیوانات قدر سے اس چیز کا استعمال دوسرے مختلف ذرائع سے کرتے ہیں۔ لیکن انسان کی طرح ایک عام سادہ اور آسان طریقہ اظہار انہیں میسر نہیں، غرض یوں کہ زبان دانی ایک ایسا ہنر ہے جس نے انسان کو ایک اعلیٰ عہدے پر فائیز کر دیا۔ جس کی ارتقائی شکل اس حد تک پہنچ گئی کہ آنے والی نسلوں کی نسلیں ہماری رائے سے مستفید ہو سکتی ہے۔ اور ہم اپنی پشتوں اور پیش روں کی نسل در نسلوں کی رائے سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

زبان کب اور کیسے وجود میں آئی۔ یہ سوال ذرا ٹیڑھا ہے۔ بہر حال مختلف تجزیات و تجربات کے حوالے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ذبان خدا کا عطیہ ہے۔ قدرت کی طرف سے فہم وادراک انسان کے اندر ایسی چیزیں ہیں۔ جو اسے تمام جانوروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ زبان دانی کا لگاؤ چونکہ فہم وادراک ان دونوں چیزوں سے ہے۔ سوچ کر بولنا اور فہم سے سننا انسان اپنی قوت تخلیہ سے بھی ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اور دیگر سمعی و بصری خصوصیات کی بنا پر اپنی انفرادی خصوصیت کے حامل ہے۔

زبان دانی کا تعلق انسان کی مندرجہ بالا تمام تر خصوصیات سے ہے۔ اور ان ہی کی بنا پر زبان نے مختلف ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بعد اعلیٰ معیار حاصل کر لیا۔ زبان چونکہ مختلف حروف اور لفظوں کا مجموعہ ہے۔ بول کر ختم ہونے والی شے ہی نہیں بلکہ اسے ہمیشہ کے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

لئے بھی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ انسان کے اس قوت فہم وادراک کی بناء پر زبان نے مختلف صورتیں اختیار کی اور اس نے بے شمار پہلو اختیار کر دیئے تا کہ ہر فرد و بشر کے قول محفوظ رکھے جا سکیں۔

1۔ سننا (Listening):۔ سماعت انسانی زبان دانی کا ایک ایسا جز ہے جس کے بغیر زبان کا وجود اور زبان کی اہمیت بے معنی ہیں۔ بہر حال قوت سماعت ایک قدرت کا تحفہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبان کے ارتقائی سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ سماعت ایک ایسی قوت ہے۔ جس نے زبان کے ارتقاء میں ہی نہ صرف بلکہ زبان کے وجود میں آنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مختلف ضروری لفظوں کا مجموعہ جو زبان سے نکلتا ہے، اگر کوئی سننے والا نہ ہو، سننے کی قوت رُکھتا نہ ہو، تو اُن حروف ولفظوں اور جملوں کی آوازوں کا استعمال بے سود اُبے معنی ہے۔ زبان کے آغاز سے متعلق جتنے بھی نظریات سامنے آتے ہیں۔ غرض تمام نظریات میں قوت سماعت پیش پیش رکھتی ہے۔ جسکی بناء پر مختلف زیر و بم کی آوازوں کی پہچان رکھتے ہیں۔ اور بیشتر مقامات پر خوش آئیند آوازوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ بصیرت کی طرح قوت سماعت بھی ایسی نعمت ہے۔ کہ جس کے بغیر انسان کا اشرف المخلوقات ہونا نامکمل ہے۔ کسی بھی زبان کی ترقی ونشونما کا راز قوت سماعت میں مخفی ہے۔ زبان کے معاملے میں سننا یا سماعت حاصل کرنا ایک ایسے پیالے کی مانند ہے جس کے بغیر دودھ کا رُکھا جانا ناممکن ہے۔ زبان کے تمام ارتقائی سلسلے سماعت کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور سماعت کا کردار اس زبان دانی کے ڈرامے میں متحرک اور انفرادی خصوصیت کے حامل ہے۔ مختصراً کہ زبان دانی کے ارتقاء کے سلسلے میں قوت سماعت کی حصہ داری مسلم

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے۔اوراس ہے قوت کی بنا پر زبان کا وجود ہوتا ہے۔ ہر پیدا ہونے والا بچہ پیدائش کے فوراً بعد سب سے پہلے سننا شروع کرتا ہے اور کچھ قوت کے بعد وہ بخوبی ایک مخصوص زبان سیکھ لیتا ہے۔صرف ونحو کے اعتماد سے وہ کسی بھی قسم کی غلطی نہیں کرتا۔غرض یہ کہ سماعت کی قوت ہی سے زبان کو ہم ایک نسل سے دوسری نسل تک پہونچانے میں کامیاب ہونے ہیں۔

2۔ بولنا(Speaking):۔ قوت اظہار کا وسیلہ جیسے ہم زبان کا نام دیتے ہیں۔مختلف آوازوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔جنہیں ہم اپنے منہ سے ادا کرتے ہیں۔اور منہ کے اندر زبان (Tongue) اور مختلف جبڑوں کا استعمال کر کے ان آوازوں کو ایک مخصوص شکل سے ادا کرتے ہیں۔تا کہ مخاطب ہمارے مافی الضمیر کو سمجھ سکھیں اور ہم اپنی رائے کا اظہار کرنے میں کامیاب ہو سکھیں بہرالحال زبان جملوں کا نام ہے جو با معنی ہوں سب سے پہلے کچھ حروف کا مجموعہ ہوتا ہے۔جن کے بالترتیب استعمال سے لفظ وجود میں آتا ہے۔اور بہترین الفاظ کا بہترین استعمال زبان ہے۔جس میں بولنے کی صلاحیت ایک اہم اور نمایاں شکل رکھتی ہے۔دراصل زبان اُن ہی مختلف آوازوں کا نام ہے جنہیں ہم اپنے منہ سے مختلف مقاصد کے لئے بولتے ہیں۔زبان کا تعلق چونکہ منہ اور زبان کے ساتھ گہرا ہے۔اس ہی لئے قوت بیان زبان کی وہ شکل ہے جو زبان کی ارتقائی عمارت میں ایک بنیاد کی سی حیثیت رکھتی ہے۔سماعت کی طرح قوت اظہار سے بیشتر قوت بیان کے ذمہ ہے کہ سب چیزیں آوازوں سے متعلق ایسی واقع ہوئی ہیں جن آوازوں سے زبان کا وجود میں آنا ممکن ہوا۔بنی نوع انسان نے ابھی بولنا سیکھا تھا کہ بادلوں کی گرج، پرندوں کی چہچاہٹ، آبشاروں، جھرنوں کی گنگناتی آوازیں ایسے جز تھے جنہوں نے انسان کو بولنے پر مجبور کیا۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اس کے بعد انسان نے اسے شکل دے کر زبان کا آغاز کر دیا۔ فہم و ادراک کی ہی بناء پر زبان نے مختلف ارتقائی منزلوں کی طرف گا ہے گا ہے اپنے قدم بڑھائے بولنا یا قوت بیان زبان کی روح ہے۔ سماعت، لکھنا اور پڑھنا زبان کے جسم کی طرح بغیر بول کے ایک مردہ جسم کی طرح ہے۔

3۔ لکھنا (Writting):۔ زبان دانی کی تیسری شکل، جو اس کے ارتقاء کی اعلیٰ ترین منزل سے ہمکنار کرنے والی شکل ہے اُسے ہم تحریر کہتے ہیں۔ قوت سماعت اور قوت بیان غرض یہ کہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جو اپنے وسیلہ اظہار میں اپنا کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ تحریر زبان کو محفوظ رُکھنے کے لئے ایک بہترین عمل ہے۔ وہ قول جو مختلف دانشوروں کی بہترین فہم و ادراک سے نکلے ہوئے ہیں۔ کب کے ختم ہو گئے ہوتے اگر زبان میں ذینت تن کا مقام نہ رُکھتی ہے۔ ہماری تہذیب اور تہذیب کا ورثہ بزرگوں کے قول صدیوں پہلے کے مٹ گئے ہوتے اگر چہ تحریری سلسلہ نہ ہوتا۔ گویا وید مقدس کے زمانے سے لے کر حضرت عیسیٰ کی پیدیش سے ہو کر ظہورِ اسلام کے ساتھ ساتھ ابھی تک جہاں لامکاں میں جو کچھ رونما ہوا تحریری شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ کسی بھی تہذیب کو اپنی شناخت اور اپنا قدم برقرار رکھنے کے لئے تحریر کی سخت ضرورت ہے۔ یہ زبان ہی ہے جس سے ہم اپنے قومی اثاثے کو محفوظ رکھتے ہیں۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ اپنے اس ورثے پہ منحصر کرنا اور تہذیبی اثاثے کے نقش قدم پر چلنا میسر ہوتا ہے۔ تہذیب پہ فخر کرنے والے یہ فخر کبھی بھی حاصل نہ کرتے اگر چہ زبان کی تحریری شکل سامنے نہ ہوتی آج کا زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ تہذیب کے حوالے سے سنی ان سنی اور کہی ہوئی باتوں پر یقین

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

رکھنے کے مترادف نہیں ہے۔ اس لئے تہذیب کو زندہ رکھنے کے لئے ہر حال مین مختلف شواہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ ابتدائی قدیم زمانے میں جب کہ تحریر وجود میں نہیں آئی تھی۔ اس زمانے میں یہ کام مختلف کتبوں سے لیا جاتا تھا۔ زبان نے ترقی کی راہ پر جب قدم گاڑھا مختلف زبانوں کے الگ الگ رسم الخط (Script) وجود میں لائے گئے۔ یہ مختلف رسم الخط نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ زبان جو صرف سنی اور بولی جانے والی شے تھی اپنی اس تیسری ارتقائی منزل کو پانے مین کامیاب ہوئی اور زبان نے ایک نئے افق کی طرح قدم گاڑھا اور رواں دواں ہوگئی۔

4۔ پڑھنا (Reading): تحریر زبان کو جاندار بنانے میں ایک نمایاں کردار ادا کرتی ہے کیونکہ تحریری زبان کی وہ شکل ہے جس کا ہر لفظ منہ بولتی تصویریں ہیں۔ اور زبان کے یہ الفاظ صفحۂ قرطاس پہ سجا کر پیکر بنا دیتی ہے۔ غرض تحریر نے زبان کو لباس بخشا اور اس کی مخصوص شکل ظاہر کردی۔ لیکن جس مقصد کے لیے تحریر کا استعمال عمل میں لایا گیا، وہ کچھ اور ہے۔ تحریر سب بے کار ہے اگر اُسے پڑھا نہ جائے۔ پڑھنا ہی تحریر کا مقصد ہے۔ اگر چہ زبان کو ترقی اور بڑھاوا دینا ہے تو سب سے پہلے تحریر کے بعد اُن تحریروں کو پڑھا جانا لازمی ہے پڑھنا ہی ایک ایسا عمل ہے جس سے ہم اپنے تہذیبی، سکافتی، مذہبی اور علمی ورثہ کو نسل در نسل منتقل کر سکتے ہیں۔ اسکولوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں کا مقصد بھی زبان کی اس ہی شکل سے ممکن ہوسکتا ہے۔ پڑھنے کا عمل ایک ایسا عمل ہے جس کی بنا پر ہم موجودہ ترقی یافتہ دور میں دوسری ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بہ شانہ چل سکتے ہیں۔ پڑھنے کا عمل زباندانی کے سلسلے میں ایک جاندار عمل ہے اور کسی بھی زبان کی بقا اور ترقی و ترویج کے سلسلے میں پڑھنا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ زباندانی کے مدرس کو چاہیئے کہ جو لفظ وہ بچوں کو سکھائے اُسے ساتھ ساتھ پڑھنا بھی سکھالے تا کہ بچے اُن الفاظ کا تلفظ اور ادائیگی طور پر کرسکیں۔ مختصر یہ کہ زبان کے متعلق تمام ارتقائی ہنر کا مدعا و مقصد پڑھنا ہے اور اسی غرض سے زبان نے ترقی کی ہے۔

مطالعہ اور اس کے اقسام

READING AND ITS KINDS

مطالعہ کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

1۔ مطالعہ بالجہر (بلند خوانی) (Loud Reading)

2۔ مطالعہ بلاجہر (خاموش خوانی) (Silent Reading)

3۔ عمیق مطالعہ (تفصیلی مطالعہ) (Intensive Reading)

4۔ سطحی مطالعہ (سرسری مطالعہ) (Extensive Reading)

5۔ تیز رو مطالعہ (Rapid Reading)

6۔ آہستہ رو مطالعہ (Slow Reading)

مطالعہ:۔ مطالعہ سے مراد لکھی ہوئی تحریر سمجھنا اور آواز کے ساتھ ادا کرنا ہے مطالعہ کے لئے الفاظ کی شناخت اور ان کے لغوی معنی کو سمجھنا لازم ہے لفظ اور آلہ نطق کے درمیان ایک صحت مند رشتہ قائم کرنے کے لئے پڑھنے کا عمل ایک ضروری مطالعہ ہے۔ جس کو پورا کئے بغیر کسی زبان پر قدرت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے ایک اچھے مطالعہ میں الفاظ کا درست تلفظ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کیا جاتا ہے۔ مطالعہ کے عمل میں تین چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے:-

۱۔ رموزاوقاف ۲۔ صوت ۳۔ مفہوم

1۔ مطالعہ بالجہر (بلندخوانی)(Lodd Reading)

جب کوئی قلمی یا مطبوعہ عبارت بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے تو اسے بلند خوانی یا مطالعہ بالجہر کہتے ہیں ابتدائی جماعتوں میں بلند آواز سے پڑھنا سکھانا ضروری ہے پڑھنے سے ادا کرنا بھی ضروری ہے زیر (ِ) زبر (َ) کے فرق سے معنی بدل جاتے ہیں اور غلاط تلفظ سننے میں آسکتا ہے مدرس زباندانی کا اولین فرض ہے کہ نمونہ خوانی کرتے وقت خوش خوانی کے تمام اصولوں کو مدنظر رکھے وہ اصول یوں ہیں:۔ (ا) اعراب کا صحیح استعمال (ب) روانی (ج) صحیح مخارج حروف (د) صحیح تلفظ (ر) فقرہ بندی (س) معنی آفرینی اور (ک) تفصیل

خصوصیات:۔ مطالعہ بالجہر کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ اس کے اظہاری الفاظ موزن ہوتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتو عبارت کی قدر و قیمت گر جاتی ہے۔

۲۔ اظہاری الفاظ کا تلفظ صحیح نہ ہوتو ہم آواز الفاظ کا تلفظ اور معنی انجام کار۔ زہرا (زہ رہ) کے معنی ایک ستارا۔ زہرا (زَہ رہ) کے معنی پتا۔

۳۔ خیالات کا اظہار ترتیب اور تسلسل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۴۔ اس میں اس قسم کے الفاظ مناسب طور پر ادا کئے جاتے ہیں۔ جن سے الفاظ کے تلفظ اور معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۵۔ اس میں رموز اوقاف کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

۶۔ اعراب، تشدید کا خاص خیال پڑھتے وقت رکھا جاتا ہے۔

۷۔ صحیح تلفظ اور روانی سے عبارت خوانی ہوسکتی ہے۔

۸۔ طلبہ بلا جھجک بلا ڈر وخوف عبارت خوانی کرسکتا ہے۔

نقائص:۔ ہر چیز کے کچھ فائدے اور نقصان ہوتے ہیں۔ اسی طرح مطالعہ بالجہر کے بھی چند نقائص حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ بلند خوانی (مطالعہ بالجہر) کے ساتھ پڑھنے کے عمل میں ذہنی و مہمانی دونوں طرح کی تھکن پیدا ہوتی ہے۔ بولنے سے قوت زیادہ خرچ ہوتی۔ خاص طور پر چھوٹے بچے جلدی تھک جاتے ہیں۔ بلند خوانی سے پڑھتے پڑھتے رفتار میں دھیما آنا شروع ہوتا جاتا ہے۔

۲۔ اگر سب طلبہ مل کر بلند خوانی کریں تو جماعت میں شور پیدا ہوجاتا ہے۔ جس سے دوسری جماعتوں کے کاموں میں خلل پڑتا ہے۔

۳۔ زیادہ بلند خوانی میں طلبہ میں متعدی قائم نہیں رہتی۔

2۔ مطالعہ بلا جہر (خاموش خوانی) Silent Reading

قلمی یا مطبوعہ عبارت کو بغیر آواز کے خاموشی سے پڑھنا مطالعہ بلا جہر یا خاموش خوانی کہلاتا ہے۔ مطالعہ بلا جہر میں بلند خوانی کے مقابلے میں وقت اور قوت دونوں اعتبار سے بچت کا سامان پیدا ہوتا ہے۔

فوائد:۔ مطالعہ بالجہر کے فوائد حسب ذیل ہیں:۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh. Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۱۔ پڑھنے والا زبان اور ہونٹ ہلائے بغیر اپنی نظروں سے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام لیتا ہے۔

۲۔ مطالعہ رفتار میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ اس میں صرف نظر سے کام لیا جاتا ہے جس سے باقی قوتیں اثر انداز نہیں ہوتیں۔

۴۔ طلبہ میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ اس سے طلبہ میں توجہ اور دِل چسپی پیدا ہوتی ہے۔

۶۔ مطالعہ بلا جہر میں لگاتاری گھنٹوں، یا غہ پڑھنے سے تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔

۷۔ اس سے ذخیرہ الفاظ میں تبدریج اضافہ ہوتا ہے۔

۸۔ مطالعہ بلا جہر عبارت کا مفہوم سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

۹۔ اس سے علمی لذت اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔

۱۰۔ مطالعہ بلا جہر سے ذہنی اور سکون تلمی راحت حاصل ہوتی ہے۔

۱۱۔ طبقہ فوقانیہ اور طبقہ عالیہ کے طلبہ کے لئے خاموش خوانی زیادہ مفید اور فائدہ مند ہے۔

۱۲۔ پڑھنے کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

۱۳۔ دوسروں کے کام میں خلل نہیں پڑتا۔

۱۴۔ خاموش مطالعہ کے عمل میں افادیت کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نقائص:۔

۱۔تلفظ کی غلطی بنی رہتی ہے جس سے مفہوم سمجھ لینے کی باوجود طلبہ کی شخصیت پر ناموافق اثر پڑتا ہے۔

۲۔محسوسات کے درس اور مطالعہ کے کامیاب ہونے کی تصدیق پورے طور پر نہیں ہوتی۔

۳۔فکر واظہار میں مناسب ربط قائم نہیں ہوسکتا۔

۴۔مطالعہ بلا جہر اظہار کی مشق میں ایک رُکاوٹ ہے۔

۵۔مطالعہ بلا جہر میں جوہر چھپا رہتا ہے۔

3۔عمیق مطالعہ (تفصیلی مطالعہ) Intensive Reading

عمیق مطالعہ میں تفصیلی معنی دونوں کے حسن کو دیکھنے، پرکھنے، سمجھنے اور اس سے مناسب اثر کی ضرورت ہوتی ہے۔تفصیلی مطالعہ کے بغیر لفظ معنی اور تاثر کے درمیان لازم ربط پیدا نہیں ہوسکتا۔

۱۔اس قسم کے مطالعہ میں پڑھنے والا عبارت کو ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ سمجھ کر پڑھتا ہے۔

۲۔ الفاظ کا صحیح تلفظ ادا کرتا ہے کیوں کہ اس مطالعہ میں بلند خوانی اور خاموش خوانی دونوں شامل ہیں۔

۳۔رموز اوقاف اور تفصیل، تاکید اور تغیر لحن کے اصولوں کو اپنانا پڑتا ہے۔

۴۔ایسے مطالعہ کے لئے منصف کے ساتھ ایک ذہنی رشتہ قائم کرنا پڑتا ہے۔اور

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تبھی قاری مصنف کے احساس کی گہرائی تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔

۵۔قاری مواد مضمون موضوع اور مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

۶۔وہ موازنہ کرنے کے اہل ہوجاتا ہے۔

۷۔تفصیلی مطالعہ سے قدرت پیدا ہوسکتی ہے وہ کس کی نثر نگاری اور کس کی نظم نگاری کو محسوس کرنے کی کوشش رُکھتا ہے۔

۸۔اس سے وہ اپنی رائے قائم کرسکتا ہے۔

عمیق مطالعہ طلبہ کے لئے نہایت مفید ہے طلبہ اس سے زیادہ استفادہ کرسکتے ہیں اس مطالعہ کی مدد سے وہ ہر سوال کا جواب تسلی بخش طریقے سے دے سکتے ہیں۔مطالعہ میں مدرس کو طلبہ کی مناسب رہنمائی کرنی چاہیئے تاکہ وہ اس مقابلہ کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرسکیں مطالعہ ادب کے علاوہ بعض عملی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر تفصیلی نظر ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے ایسی صورتوں میں خیال اظہار اور زبان سبھی چیزوں کا معیار اور ان کے درمیان ایک رشتہ تلاش کرنا پڑتا ہے اس لئے ایک مدرس کی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔اگر مدرس خود ان اصولوں کے واقف ہوگا تو وہ طلبہ کے لئے ایک اچھا رہبر اور مددگار ثابت ہوگا۔ورنہ طلبہ علم اور الفاظ کے گورکھ دھندے میں پھنسا رہے گا۔

4۔سطحی مطالعہ (سرسری مطالعہ) Extensive Reading

الفاظ وترکیب کے ذاتی حسن اور ان کے برمحل استعمال کے سوال سے ہٹ کر اس بات پر ہی زور دینا کہ طلبہ محض سبق کا مفہوم اور مصنف کے خیالات اور نقطہ نظر کو ہی جاننے اور سمجھنے کے قابل بن سکیں تو مطالعہ سرسری یا سطحی مطالعہ کے تحت شمار کیا جاتا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

فوائد:۔

۱۔اس قسم کے مطالعہ طبقہ فوقانیہ اور طبقہ عالیہ کے طلبہ لطف اندوز ہو سکے ہیں۔

۲۔طلبہ خاص خاص باتیں جان لیتا ہے اور اس کی تفریح طبع ہو جاتی ہے۔

۳۔اس سے وقت بھی کٹ جاتا ہے اور وہ مصروف بھی رہتا ہے۔

۴۔قصے، کہانیاں، سوانح عمری ایجادوں کے موجد اور دریافت وغیرہ کے بارے میں محض خلاصہ یاد رکھنا کافی ہوتا ہے۔

۵۔وقت کی بچت ہوتی ہے۔

نقائص:۔

۱۔طبقہ تحتانیہ اور طبقہ وسطانیہ کے طلبہ کے لئے یہ مطالعہ کارآمد نہیں ہے۔

۲۔اس مطالعہ سے الفاظ کے صحیح تلفظ رموز اوقاف کی پابندی اور تفصیل وغیرہ کے اصول پر عمل نہیں ہوتا۔

۳۔محاسن کم اور معائب زیادہ ہیں۔

۴۔معلومات عارضی ہوتی ہیں۔

۵۔دوسروں کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

سرسری مطالعہ ایک آرٹ ہے اور یہ آرٹ مناسب ترتیب کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور مدرس زباندانی ہی ایسا آرٹ سمجھ سکتا ہے اور طلبہ کی مناسب اور ہر وقت رہنمائی اور مدد کر سکتا ہے۔

5۔تیز رو مطالعہ (Rapid Reading)

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بعض علمی موضوعات اور مواد سے متعلق ضروری نکات سے واقفتیں حاصل کرنے کے لیے سرسری طور پر کتاب یا تحریر سے گزرنا تیز رو مطالعہ کہلاتا ہے۔ اس قسم کے مطالعہ میں پڑھنے والے کا مطلب عبارت کو جلد سے جلد اور کم سے کم وقت میں پڑھ کر ختم کرتا ہے۔

شروع میں پڑھنے کے عمل میں مقصد یہ ہونا چاہئے کہ طلبہ بلا تھکان اپنی دِل چسپی کے کتابیں پڑھنے لگیں۔ نیز ان سے متعلق شوق سے گفتگو کرنے لگے۔ طلبہ کو دِل چسپ اور عام فہم مضامین پڑھنے کے لئے دے دیئے جائیں تا کہ رفتہ رفتہ ان کا بہتر ور احتیاط پسند ہو جائے وہ بھلے اور بُرے میں تمیز کرنا سیکھ لیں۔

فوائد:۔

۱۔ ادبی مسرت حاصل کرنا۔

۲۔ فرصت کے لمحات مصروفیت میں گزرانا۔

۳۔ دماغی عمل زیادہ کام کرتا ہے۔

۴۔ نظر تیزی سے حرکت کرتی ہے۔

۵۔ صرف اہم معلومات حاصل ہو سکتی ہے۔

۶۔ ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے۔

نقائص:۔

۱۔ بغیر غور وخوض کے کام ہوتا ہے۔

۲۔ ابتدائی جماعتوں کے طلبہ کے لئے نقصان دہ ہے۔

۳۔ نظر الفاظ پر جمی نہیں رہتی ہے جس سے بینائی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۴۔مخارج حروف صحیح ڈھنگ سے ادا نہیں ہو سکتے۔

۵۔معنوں کی طرف دھیان کم ہوتا ہے۔

۶۔دماغ میں بوجھ کا اثر احساس ہوتا ہے۔

6۔آہستہ رو مطالعہ (Slow Reading)

آہستہ رو مطالعہ کے تحت خیال بیان اور الفاظ کی نشست و برخاست وغیرہ سبھی سروں پر نظر ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔کیوں کہ ان صورتوں میں صرف خیال ہی اہم نہیں ہوتا بلکہ خیال کو ادا کیا گیا ہے۔تہذیب و اخلاق، اختصار بیان اور پیش کش سبھی باتیں ایسی میں جن کا شخصیت پر اثر پڑتا ہے۔ان سب باتوں کی لازم قدر کا احساس اور اس سے متعلق جوہر و قدرت آہستہ آہستہ اور مطالعہ سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

فوائد:۔

۱۔طالب علم عبارت کو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے۔

۲۔حروف اور الفاظ مخارج کے مطابق ادا ہوتے ہیں۔

۳۔الفاظ کا صحیح جملوں پر غور و خوض ہوتا ہے۔

۴۔الفاظ کا صحیح تلفظ ادا ہوتا ہے۔

۵۔دِلی تسلی اور ذہنی سکون ملتا ہے۔

۶۔ابتدائی جماعتوں کے طلبہ کے لئے مفید ہے۔

نقائص:۔

۱۔رفتار مطالعہ میں کمی واقع ہوتی ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۲۔رُک رُک کر پڑھنے کی عادت بن جاتی ہے۔

۳۔روانی اور سلاست میں گراوٹ آتی ہے۔

۴۔عبارت کا حقیقی مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

۵۔مطالعہ میں پیچھے رہ جاتا ہے۔

۶۔احساس کمتری کا شکار ہونا۔

مدرس کا فرض اولین ہے کہ طلبہ کو کہاں تیز پڑھنا ہے اور کس جگہ آہستہ پڑھنا ہے کہ یہ دونوں باتیں طلبہ کے ذہن نشین کروائے۔ یہ باتیں طلبہ کی آنے والی زندگی میں مددگار ثابت ہوں گی۔اس بارے میں مدرس زباندانی ہی سب مقاصد کو مدنظر رکھ کر طلبہ کو ہدایت دے سکتا ہے اور ساتھ ساتھ مشق کروا سکتا ہے۔

املانویسی کی اہمیت

بچوں کی قوت تحریر کی نشو نما کے لئے املا نویسی موثر ہے۔ مدرس طلبہ کو زبانی عبارت لکھواتا ہے۔ پھر اس عبارت کی غلطیاں نکالتا ہے املا دراصل لفظوں میں صحیح صحیح حروف کے استعمال کا نام ہے۔املا نظموں کی صحیح تصویر بھیجتا ہے۔اُردو کو رسم لخط کے مطابق لفظ میں حروفوں کی ترتیب کا تعین ترتیب کے لحاظ سے ان الفظ میں شامل حروف کی صورت اور حرفوں کے جوڑ کا متعارت طریقہ ان سب کے مجموعے کا نام املا ہے املا میں اصلاح ہوسکتی ہے۔املا کی تصیح کی اس لئے ضرورت پڑتی ہے کہ بعض لوگ انجانے میں یا کسی اور وجہ سے بعض لفظوں کو غلط طور پر لکھتے ہیں شروع شروع میں ایسے چند ہی لوگ ہوتے ہیں مگر بعد میں ان ہی دو چار یا دس کا لکھا ہوا سند بننے لگتا ہے اور بہت سے لوگ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

غلطیاں کرنے لگتے ہیں اس طرح غلط املا کا رواج ہوجاتا ہے۔ ہر زبان میں املا کے قاعدے مقرر ہوتے ہیں۔ اُردو املا میں غلطہ نگاری نے بہت کچھ راہ پائی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ غلط الفاظ کا جائزہ لیا جائے اور ضابطوں کا تعین کیا جائے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ املا کو مستقل موضوع کی حیثیت سے دیکھا جائے اور ایسی حیثیت سے اس کے مفصل ضابطے قائم کئے جائیں املا کے کئی مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق اُردو کی صوتیات سے ہے۔ ایک ہمہ گیر زبان میں جو ملک کے طول وعرض میں دور دراز خطوں علاقوں اور شہروں میں بولی جاتی ہو، مقامی اثرات کے لہجے اور تلفظ کا اثر ہوتا ہے۔ لفظوں کی املا بھی ٹھیک اُسی طرح بچوں کے ذہنوں میں نقش ہوجاتی ہے جس طرح بچے تصویروں کے زریعے جانوروں کے نام سیکھ جاتے ہیں۔ جب بچہ کسی جانور کی تصویر دیکھتا ہے پھر اُس کا نام سُنتا ہے تو وہ اُس جانور کا نام بھی یاد کرلیتا ہے۔ اور جب بھی وہ اُسے دیکھتا ہے تو فوراً اُسے اُس کا نام یاد آتا ہے ٹھیک اُسی طرح لفظوں کی تصویر بھی ذہن کے پردے پر اُتر آتی ہے مدرس جس طرح لکھے گا شاگرد اس لفظ کا وہی املا سیکھے گا اور اسی کو صحیح سمجھے گا۔ املا کے بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کی لغات سے بھی کوئی رونہیں ملتی بلکہ بعض امور میں تو لغات میں ایک سے زیادہ املائی شکلیں ملتی ہیں۔

املا لکھانے کا طریقہ

مدرس طلبہ کو املا لکھانے سے پہلے ان باتوں پر غور کرنا چاہئے:۔

ا۔ املا لکھانے سے پہلے عبارت صاف صحیح اور واضح طور پر ٹھہر ٹھہر کر ایک بار سنادی جائے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education,Bantalab Jammu

۲۔ جس جماعت کے لئے الفاظ کی شرح فی منٹ بجتی ہو۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے لکھایا جائے۔

۳۔ املا لکھاتے وقت سکھانے والا ایک مناسب جگہ پر کھڑا ہو جائے جہاں سے طلبہ اسے دیکھ سکیں اور اس کی آواز صاف طور پر سن سکیں۔ لکھانے کی حالت میں ادھر اُدھر ٹہلنا یا جگہ بدلنا مناسب نہیں۔

۴۔ املا لکھانے کے بعد کچھ منٹ دوبارہ سنائے اور طلبہ کو اپنے لکھے ہوئے پر نظر ثانی کے لئے دیئے جائیں۔

۵۔ تختانوی جماعت کے طلبہ کو ریت پر یا زمین پر انگلی سے لکھ کر بھی لکھایا جائے۔

۶۔ املا کے وقت طلبہ کو خاص طریقے سے بٹھانا چاہیئے۔

اصلاح

مندرجہ ذیل اصلاح پر مدرس کو کافی غور و خوض کرنی چاہئے:-

۱۔ طلبہ سے کہا جائے کہ تختہ سیاہ یا کتاب کی مدد سے اپنی غلطیاں خود نکالیں۔

۲۔ ہر نکالی گئی غلطی کو صحیح کر کے دس دس بار لکھیں۔

۳۔ مدرس کو جماعت میں گشت لگا کر کے نگرانی کرنی چاہیئے۔

۴۔ طلبہ اپنی کاپیاں یا تختیاں تبدیل کر کے بھی غلطیاں نکالیں اور جو غلطیاں نکالیں ان کو درست کر کے لکھے۔

۵۔ مدرس زباندانی کا فرض ہے کہ ہر طالب علم کی کاپی یا سلیٹ یا تختی کی جانچ کرے اور ضروری اصلاح دے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۶۔ مدرس طلبہ کا لکھائی کا مقابلہ بھی کراوائے اس کے لئے گروپوں میں جماعت کو بانٹ کر املا کروائی جائے اور ہر گروپ کو نمبر دے دیے جائیں جس گروپ کے نمبر زیادہ ہوں اس گروپ کو شاباش یا کچھ انعام دیا جائے۔

۷۔ قلم کا صحیح پکڑنا، تختی یا کاپی کا مناسب حالت میں دیکھنا یہ باتیں کو طلبہ کو بتانی چاہئے۔

۸۔ مدرس طلبہ کو یہ بھی بتائے کہ سیاہی کی دوات کس طرف رکھی جانی چاہئے اور ساتھ ہی کہ قلم کو سیاہی میں کتنا وہ بوتا چاہئے۔

کسی زبان ک حرف بولنا اور سمجھنا ہی کافی نہیں اس کا لکھنا بھی ضروری ہے۔ جب تک کسی بات کو لکھا نہ جائے وہ دوسروں کے لئے مخوط نہیں کی جاسکتی صرف تحریر سے ہی دور دروازر ہنے والوں کے خیالات اور جذبات سے واقف ہو سکتے ہیں۔ نیز ماضی کے بزرگوں کے علوم وفنون سے آئیندہ اور موجودہ نسلیں صرف اسی صورت میں مستفید ہو سکتی ہیں بچوں کہ بچوں کو بڑھنا سکھانے کے ساتھ ساتھ لکھنا سکھانا ضروری ہے۔ البتہ لکھنا سکھانے کے طریقے مختلف ہیں۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ طلبہ کو پہلے پڑھنا سکھایا جائے اور بعد میں لکھنے پر توجہ دی جائے لیکن اکثر اساتذہ کی رائے یہ ہے کہ پڑھنے کے ساتھ ہی لکھنا سکھایا جائے۔ بہر حال پڑھنا لکھنا لازم وملزوم ہیں۔ طلبہ کو لکھنا سکھانے کے لئے اساتذہ کئی طریقے استعمال کرتے ہیں۔

مثلاً ہوا میں انگلی سے لکھنا، ریت یا مٹی پر لکھنا ، بورڈ پر لکھنا اور کاغذ یا تختی پر لکھنا۔ ان تمام طریقوں پر تختی کے استعمال کر ترجیح دی جاتی ہے۔ تختی ہی سے طلبہ کا ایک طرف خط

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سنوارتا ہے تو دوسری طرف خرچ نہ کر برابر ہوتا ہے زیادہ تر خوش نویس تختی پر لکھنے ہی سے کامیاب ہوئے چند برس سے تختی کا رواج ختم ہو رہا ہے اور اس کی جگہ بن مقبول ہو چکا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ دور تیزی اور جلد ہی سکھاتا ہے بڑی دوڑ دھوپ اور کش مکش کا زمانہ ہے۔ کئی گونا گونی اور مصروفیات بڑھ گئی ہیں اس وجہ سے خوش نویسی کی طرف توجہ ہیں نہیں رہی جس سے بچوں کی تحریر دِل کش نہیں بلکہ بھدی ہوتی ہے۔

لکھنا سکھانے کا صحیح طریقہ

فن تحریر سکھنے کے لیے طلبہ کی ابتدائی یعنی پرائمری جماعتوں کا زمانہ موزوں ہے تعلیم کی ابتدائی جماعتوں میں طلبہ صرف دو تین مضامین ہی پڑھائے جاتے ہیں ان کے پاس کافی فرصت ہوتی ہے۔ اس لئے انہیں لکھنا سکھانا چاہئے تا کہ وہ اطمنان کے ساتھ اس فن پر وقت اور توجہ صرف کر سکیں۔ مڈل جماعوں میں تعلیم و تربیت کا کام بڑھ جاتا ہے۔ مضامین کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے اس لئے خط کو سنوارنے کے لئے مطابق فرصت نہیں ہوتی۔ خوش نویسی یا خوش خطی سیکھنے کی ابتدا ڈرائنگ سے ہی ہونی چاہیئے چھوٹے طلبہ لکیریں اور دائرے کھینچے میں دِل چسپی لیتے ہیں شروع میں طلبہ سے سادہ سیدھی لیکریں کھنچوانے کی مشق کرائی جائے۔ پھر تکونی شکلیں بنانے کو کہا جائے۔ پھر چوکور بنانے کی تاکید کی جائے۔ پھر دائرہ اور نیم دائرہ کھنچنے کی مشق کی جائے پھر نیم دائرہ یعنی قوس کھنچوائی جائے۔ یہ کام سلیٹ پر یا تختی پر یا رنگین پنسلوں سے یا رنگین چاک سے کروایا جائے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ حروف کی بناوٹ میں خط مرسقیم اور ٹیڑی لکیر سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً۔ ج چ ح خ د ڈ ذ س ش ص ض ع غ ل د ی زیادہ تر سنخی خطہ سے کام لیا جاتا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اس لیے جب طلبہ سیدھی ٹیڑھی لکیر اور دائرے اور قوس کھینچنے میں طاق ہو جائیں تو انھیں حروف بنانے کی مشق کرانی چاہئے اس طریقہ سے طلبہ جلد لکھنا سیکھ جائیں گے۔ خطوں کے ساتھ انھیں نقطے لگانے کا طریقہ بھی سمجھا جائے ان دونوں کی مشق کے بعد حروف کا لکھنا آسان ہو جائے گا۔ اس طریقے کو طریقۂ ترکیبی کہتے ہیں۔ جب حروف لکھنے کی مشق ہو جائے تو ان کو ملانے کی ترکیب بتائی جائے۔ سب سے پہلے مشابہ حروف کو یکجا کر کے لکھا جائے۔ مثلاً

ا ب پ ت ٹ ث ف	س ش ص ض
ج۔ ج چ ح خ	ط ظ
د ڈ ذ	ع غ
ر ڑ ز ژ	ک گ
	ق ل ن ی
	ہ م ء

اس کے بعد حروف کی مختصر صورتیں (جزوی شکلیں) سکھائی جائیں اور پھر حروف کو باہم ملانا سکھایا جائے۔ پہلے دو حرفی (ثابت حروف کی ترکیب) پھر سہ حرفی تراکیب کے الفاظ لکھائے جائیں۔ مثلاً

اب ۔ رس ۔ دس

رات ۔ ڈال ۔ راج

روگ ۔ ادن ۔ روم

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سالم یا ثابت حروف کے مرکبات کے بعد طلبہ کو غیر سالم یا مختصر حروف در سالم حروف کے ملے جلے مرُکبات سکھائے جائیں۔ مثلاً

حاضر۔ جانے ۔کھانے۔ راضی۔ وغیرہ

آہستہ آہستہ طلبہ کو شوشے (حروف کا سرا) اور گوشے (کونا۔ کمان کا سرا) بھی سکھائے جائیں۔ اس طرح لکھنا ہی نہیں اگر مشق جاری رہے تو خوش خط لکھنا بھی سیکھ جائیں گے۔

املانویسی کے فوائد

1۔ املانویسی کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ الفاظ کا صحیح تلفظ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ مدرس کے لب ولہجہ اور تلفظ کی نقل کرنے لگتے ہیں۔

2۔ بچوں میں ذراتیزی اور صفائی کے ساتھ لکھنے کی عادت پڑتی ہے۔

3۔ اپنی غلطیوں کو درست کرنے کے بعد ان میں خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔

مدرس زباندانی کو اس بات کا خاص دھیان رکھنا چاہئے کہ عبارت ایسی چن کر لکھوائے جو طلبہ پہلے پڑھ چکے ہوں۔ املانویسی میں اس تعلیمی مقولے پر عمل کرنا ایک مدرس کے لیے لازمی ہے کہ وہ آسان سے مشکل کی طرف بڑھے املا سے پہلے مدرس کو چاہئے کہ وہ طلبہ کی لکھائی کا سامان دیکھے۔ کیا اُن کے پاس قلم، دوات، تختی یا کاپی وغیرہ حالت میں ہے۔ اس کے علاوہ املانویسی کے وقت طلبہ کی طرز نشست پر بھی توجہ دی جائے۔ پہلی جماعت میں عبارت کی بجائے صرف لفظوں کی املا ہی کافی ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُردو شاعری کے تدریسی مقاصد کا تعین کیجئے

شاعری اُردو زبان کی آبرو ہے۔ اُردو زبان وادب اگرچہ عالمی ادب کے ہم پلہ نہیں لیکن پھر بھی ایک اہم اور منفرد مقام رکھتی ہے۔ بہت حد تک یہ کام اُردو شاعری نے سرانجام دیا۔ اُس کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کیا۔ نئے جہتوں کی سمت عطا کی۔ ثانوی درجے کی تدریسی تعلیم میں شاعری کے مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ تفہم شعر شاعری کی خوڈالنا:۔ تفہیم سے مراد مفہوم کے سمجھنے سے ہے۔ مزید اس سے یہ کی وضاحت نشریحات کے ساتھ قول وشعر کو سمجھ لینا۔ شاعری چونکہ رمز وایما کی خصوصیت رکھتی ہے جو تفہیم طلب ہے۔ تدریس شعر سے مراد نظامِ تعلیم کی ابتدائی حصہ پرائمری سے ثانوئی درجے تک کے بچوں کو شعر وادب کی تفہیم وتشریح سے آگاہ کیا جائے۔ شاعری کی تدریس سے بچوں میں پوشیدہ مفہوم کے سمجھنے کی خو پڑ جاتی ہے۔ اور ان کا ذہن دوررس اور دوراندیش واقعہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ تخیل کی بلند پرواز سے واقف کرنا:۔ تدریس شاعری کا ایک بہت اہم مقصد یہ ہے کہ ثانوی درجے کے طلبہ یا ہائی جماعت کے طلبہ اس جہاں چار سو سے نکل کر تخیل کی بلند پرواز میں سفر شروع کرتے ہیں۔ تدریس شاعری سے مراد یہ ہے کہ بچے کو زماں ومکاں کی قید سے آزاد کیا جائے۔

مطالعۂ کائنات شاعری کی بنیادی خصوصیت ہے۔ شاعر کائنات میں پیدا شدہ ہر شے کا عکس اپنی شاعری کے ذریعہ دکھاتا ہے۔ بچوں کو تدریس شاعری سے کائنات کی ہر شے کا پرتو یوں نظر آنے لگتا ہے کہ وہ خیالی ان زمینوں میں پرواز کرتا رہتا ہے۔ بچے کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نشوونما فطری طور پر ہونا تدریس شاعری کا فریضۂ عمل ہے۔ تخیل سے مراد اپنے اندر سے پوشیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشنا شاعری کرید کرید کر بچوں سے ان تمام تر پوشیدہ صلاحیت کو ازسرِنو زندہ کر دیتی ہے۔ شاعری میں جوش وجذبہ بچوں کی جدوجہد کا کام کرتی ہے۔

۳۔ **جذبۂ اخلاق کی تعلیم وتربیت:**۔ شاعری قوتِ وجدان کی وہ صورت ہے جو شاعر کے حساس دِل سے نکل کر بچوں کے حساس دِل میں جگہ پاتی ہے۔ ہر زبان کے شاعر اخلاق کے پرستار گزرے ہیں۔ بچوں کے اندر اخلاقی خصوصیت فراہم کرنا شاعری کا مقصد خاص ہوتا ہے۔ شاعری اس ضمن میں بچوں کے اندر اخلاقی تعلیم فراہم ایک اہم ونمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ شاعری ذہن کی ان تہوں سے نکل کر وجود پاتی ہے۔ جن تہوں سے اسے ٹٹول ٹٹول کر کندن بنایا جاتا ہے۔ نثر کی بہ نسبت اُردو شاعری میں مواد پختہ اور کارگر ہوتا ہے۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ T. S Ellet کے بقول بہترین الفاظ کا بہترین استعمال شاعری ہے۔ اگر یہی بات ہے تو شاعری میں اثر بہ درجہ اتم موجود ہے جس سے بچوں کی نشوونما میں کافی حد تک سدھار لایا جاسکتا ہے۔

۴۔ شاعری کے رموز سے واقفیت فراہم کرنا:۔ شاعری اپنے اندر کچھ اسرار ورموز اس طرح رکھتی ہے کہ جنہیں سمجھنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ ثانوی درجے کے طلبہ میں تدریس شاعری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شاعری کے بنیادی رموز واصول بچوں کی سمجھ میں آجائیں۔ تاکہ بچے آئندہ آنے والے شعری اصطلاحات سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ شعروشاعری کے تقاضے ہر مقام پر منفرد ہیں۔ بنیادی تعلیم وتربیت میں شعروشاعری قافیہ، ردیف کی بندیش کے ساتھ ایک حظ بخشتی ہے۔ شاعری سے بچے کی نشوونما میں لطف

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اندوزی کا بھی کافی عمل ودخل ہے۔

۵۔شعروادب کا ذوق پیدا کرنا:۔ تدریس نظم کا ایک بہت بڑا مقصد بچوں کے اندر شعروشاعری اور ادب کا ذوق پیدا کرنا بھی ہے۔شعروادب کسی بھی زبان کی شناخت کے ساتھ ساتھ اس زبان کے ذخیرۂ الفاظ کو بھی وسعت بخشتا ہے۔شعروادب کا ذوق بچوں کی فطرت میں شامل ہے۔ ثانوی درجے تک کے طلبہ ان شعری اصطلاحات اور شعرو شاعری کے ذوق وشوق میں بڑی دِلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔شعروشاعری کی تدریس کا عمل اس طرح ہونا چاہئے کہ بچوں کے اندر شعروادب کی دِلچسپی نہ صرف بڑھ جائے بلکہ اپنے قوت تخیل کا عمل دخل شعروشاعری میں عملی طور پر شامل ہوجائے۔راگ اور قافیہ پیمائی بچوں کی فطرت میں شامل ہوجائے بچے کسی بھی مشکل سے مشکل سبق کو بہ وسیلہ راگ یا بل جہر آسان کردیتی ہے۔اور قافیہ پیمائی کے الفاظ راگ کا ترنم ہمیشہ ذہن میں گونجتا رہتا ہے۔ جس کی زندہ مثال بچوں کے صبح سویرے کی Prayer ہے۔

۶۔طلبہ کو جملوں کی ترتیب سے واقفیت دِلانا:۔ اُردو زبان وادب کے تقاضے قدرے دیگر تمام زبانوں سے مختلف ہیں۔حروف کا مجموعہ اگرچہ الفاظ بن جائیں لیکن مختلف الفاظ کا مجموعہ جملہ بنانے کی صلاحیت شعروشاعری بخوبی انجام دیتی ہے۔شعرو شاعری میں زبان وبیان کے مختلف اصولوں کی پیروی کی جاتی ہے۔جوطلباء کو جملے کی ترتیب سے واقفیت دِلانے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔اُردو زبان وادب کے تقاضے اگر مفرد مقام رکھتے ہیں۔جس میں رعایت لفظی اور جملوں کی ترتیب بھی شامل ہے۔شعروشاعری میں بحر ووزن کا چونکہ خاص خیال رکھا جاتا ہے۔جس سے طلباء کے ذہنی نشوونما کے ساتھ ہی ساتھ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نحوی نشونما بھی ہوتی ہے۔ جملوں کی ترتیب کا مطلب علم نحو ہے۔

نحو وہ علم ہے جو جملے کی ساخت اور جملے کی بناوٹ اور جملے میں مختلف الفاظ کا آپس میں تعلق کیا ہے اس سے بحث کرتا ہے۔ جملوں کی ترتیب سے مطلب بہترین بول چال کے ہیں۔ یا صحت الفاظ کے ساتھ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ شاعری زبان کے قواعد کا پاس رکھتی ہے۔

۷۔ طلباء کو قدرتی اور فطری مناظر سے لطف اندوز کرنا:۔ موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ جس نے انسانی زندگی میں بہت ساری تیزیاں پیدا کی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ انسان کی زندگی کا سکون تہس نہس کر دیا۔ موجودہ دور کی بھاگ دوڑ زندگی میں شعرو شاعری طلباء کے اندر سکون فراہم کرنے میں کامیاب نظر آتی ہے۔ اُردو ادب کی شاعری فطری مناظر سے مطابقت رکھتی ہے۔ اور تمام قدرتی مناظر کا عکس پیش کرتی ہے۔ طلباء شاعری کی اس خصوصیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ قدرتی اور فطری مناظر شعری فن کاروں میں اس طرح سے جلوہ نما ہیں کہ طلباء اپنے آپ کو ان رنگین پناہوں میں زندگی بسر کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ اُردو شعر و ادب کی تدریس کا مطلب یہ بھی ہے کہ طلباء کے اندر قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کریں۔ تاکہ بچے قدرتی اشیاء اور روزمرہ زندگی کا موازنہ کر کے ایک نئی جہت کی طرف روانہ ہو جائے۔

۸۔ طلباء کے ذخیرہ الفاظ میں وسعت پیدا کرنا:۔ شعر و شاعری قوت وجدان اور تخیل کی عملداری کا نتیجہ ہے۔ شاعر جو کچھ محسوس کرتا ہے، جو کچھ فطرت سے حاصل کرتا ہے اُسے موثر انداز سے پیش کرنے کے لئے الفاظ کی جستجو میں بھٹکتا رہتا ہے۔ نت نئے اور

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab, Jammu

دِلکش الفاظ کی تلاش کے بعد اپنے مافی الضمیر کو پیش کرتا ہے۔ جس کی بناء پر طلباء الفاظ کے بہت بڑے ذخیرے سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ ثانوی درجے کے طلباء کے لئے ان کے محدود تخیل اُن کی کم واقفیت اور ان کی محدود ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنے کے لئے شاعری بڑے پیمانے پر بچوں کے لئے مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

اُردو ڈرامے کے تدریسی مقاصد کا حال مفصل بیان کیجئے

اس سے قبل کہ اُردو ڈرامے کے تدریسی مقاصد کا جائزہ لیا جائے۔ یہ بات کافی اہمیت کے حامل ہے کہ ڈرامے کے مفہوم سے طلباء کو واقف کیا جائے۔ چونکہ اُردو ادب میں ڈراما نثری اصناب میں ایک امتیازی خصوصیت کے حامل ہے۔ بلکہ نہ صرف اتنا ہی کہ ڈرامہ نثری صنف کے ساتھ ساتھ شاعری کے مرہونِ منت بھی ہے ڈرامہ کی گوناگوں صلاحیتوں کے باعث شعری اور نثری تصانیف یعنی ہر زمرے میں ڈراما اپنا مقام حاصل کرتا ہے۔

لفظ ڈرامہ یونانی زبان سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور یونانی زبان کے لفظ ڈراؤ سے لیا گیا ہے۔ جسکے معنی کر کے دکھانے کے ہیں۔ ڈراما اُردو زبان و ادب میں اپنی اس ہی ممتاز خصوصیت کے باعث ایک انفرادی خصوصیت رکھتا ہے۔ اُردو ادب کے زمرے سے نکل کر عملی سطح پر اُتر آتا ہے۔ ڈرامے کے معنی ایک جائزے کے مطابق عمل کے بھی ہیں اس لحاظ سے ڈرامہ کرداروں کے اعمال اور حرکات کا نتیجہ بھی ہے۔ ڈرامے کا فن ایک وسیع اور جامع

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

فن ہے۔

ڈرامے میں سمعی و بصری دونوں خصوصیات شامل ہیں۔ تعلیم وتدریس کی ابتدائی جماعتوں میں بچوں کا فطری رجحان عمل سے ہوتا ہے۔ عمل ایک ایسی قوت ہے جس سے ثانوی درجے تک کے طلباء کو بے حد دِلچسپی ہوتی ہے۔ ابتدائی تعلیمی درجوں میں بچوں کی قوت تخلیہ اور فہم وادراک کسی بھی کہانی پن یا مافوق الفطری عناصر کو ماننے کے لئے نہیں ہوتا۔ موجودہ دور کے طلباء عمل کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ ڈرامہ ایک ایسی صنف ہے جو برائی کو برا بیان کرُ کے کافی حد تک اسے برا ثابت کرنے میں بھی کامیاب ہوتا ہے۔ ثانوی درجہ تک کے طلباء اگر چہ کسی ڈرامے کو اپنی بصیرت سے دیکھ رہے ہوں تو ڈرامے کے حرکات وعمل بچے باآسانی قبول کر لیتے ہیں۔ اور ہر اداکار کو اپنا ماڈل بنا کر اس کے حرکت وعمل میں اپنے آپ کو شریک کر دیتے ہیں۔

ڈرامہ ایک ایسا فن ہے جو مصنف کی بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے اور ثابت کرنے میں کارگر ہوتا ہے۔ اور حاضرین وناظرین ان دِلچسپ مناظر کو دیکھ کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ ڈراما کی تین وحدتیں ہے۔

۱۔ وحدتِ عمل

۲۔ وحدت زماں

۳۔ وحدتِ مکاں

ڈرامے کی تدریس وتعلیم کا مقصد تنوع مند ہے۔ اپنی تینوں وحدتوں کے باعث بچوں کی دِلچسپی اور ان کی ذہنی تربیت کا خیال رکھتے ہوئے ڈراما بچوں کی معلومات

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

میں اضافہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ چونکہ ڈرامے میں عمل کا ذکر شروع سے آخر تک رہتا ہے۔ ڈرامے میں کشمکش کا ہونا لازمی ہے اور ذہنی کشمکش اور عمل بچوں کے ذہن کو اُجاگر اور بے چین کر دیتا ہے۔ ڈرامے کی اُلجھن اور ڈرامے کا تصادم ڈرامے کو ڈرامہ کہلانے مستحق ثابت ہوتا ہے۔ ڈرامہ چونکہ سماعت اور دیکھنے کا فن ہے جو بچوں کی دِلچسپی اور ان کے ذہنی معیار کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ بچے ڈرامے کے ہر عمل و دخل میں شریک رہ کر ایک کردار کی جگہ پکڑ لیتے ہیں۔ اور ڈرامے کے ہیرو کا ساتھ آخر تک نبھاتے ہیں۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ بچوں کے ذہن میں بقیہ زندگی کا ایک لائحہ عمل تیار ہو جاتا ہے اور اپنی زندگی کا مقصد تعین کرنے میں ن ڈرامہ بہت حد تک ان کی مدد کرتا ہے ڈرامے میں سچ کی فتح بچوں کے یقین کو اور بھی پختہ کر دیتی ہے۔ اور ان کے ذہن کا خاکہ الجھنوں کو فاند کر سچائی کے زمرے میں آجاتا ہے۔

ڈرامہ المیہ ہو یا طربیہ دونوں صورتوں میں ہر ذی شعور انسان کے نفس کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ بچوں کی نفسیاتی خواہش اور جستجو ڈراما کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ اور بچے دونوں چیزوں کو ساتھ ساتھ ہی پروان چڑھاتے رہتے ہیں۔ کردار ڈرامے کا بنیادی جز ہے۔ کوئی بھی ڈرامہ کرداروں کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ ثانوی درجے تک کے طلباء کرداروں کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ اور بچے ڈرامے کے کرداروں کے ساتھ مل کر اپنے آپ کو تخیل میں ڈرامے کے شریک بن جاتے ہیں کردار اچھے ہوں بڑے لیکن بڑے دِلچسپ ہوتے ہیں۔ ڈرامہ نگار چونکہ کرداروں کو اچھے سے اچھا اور بڑے سے بڑا بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے۔ تا کی قاری اچھائی کے ساتھ محبت اور برائی کے ساتھ ہی نفرت کرے۔ ڈرامہ نگار کے لئے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ضروری ہے کہ وہ کرداروں کی نفسیات کا خاص خیال رکھے۔ جس میں زندگی کے گوناگوں مسائیل کا بیان ہوتا ہے۔ طلبا ڈرامے کے کرداروں کے نفسیات اوران کی نفسیاتی کشمکش کا مطالعہ غور سے کرتے ہیں۔ تا کہ آئیندہ آنے والا سین ان کے مزے کے مطابق ہو۔

ڈرامے کا ایک اور بنیادی جز مکالمہ ہے۔ جسے Dialogue کہتے ہیں ہر ڈرامے کے مکالمے سننے پڑھنے اور دیکھنے والے کے دِل میں گھر کرتے ہیں۔ اور بچے اپنے طور پر ان مقالمات کی ادئیگی کرتے ہیں۔ نقل کرنا انسان کی فطرت ہے۔ جو بچوں کے حصے میں کچھ زیادہ ہی آتی ہے۔ ڈرامہ سبھی صورتوں میں بچوں کی نفسیاتی اور فطری تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

القصہ یوں کہ ڈراما سمعی و بصری فن ہے۔ جو سننے اور دیکھنے دونوں صورتوں میں بچوں کے ساتھ انصاف برتتا ہے ڈراما کے عملہ کا تصادم بچوں کی فطرت میں شامل ہے۔ اس کی وجہ سے ڈرامہ کی تدریس کے دوران مدرس کو چاہئے کہ حرکت وعمل سے کام لے۔

پرائمری سطح کی ابتدائی منزلوں میں تدریس اُردو کے مقاصد بیان کیجئے

پرائمری درجہ کے طلبہ میں ابتدائی منزلیں طلبہ کی تعلیم وتربیت کے سال اول سے شروع ہوکر سال دوم تک یہ منزل برقرار رہتی ہے۔ تعلیم وتدریس کے سلسلے میں بچوں کی یہ نشونما سے منسلک منزل تعلیم وتربیت کے حساب سے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ابتدائی منزلوں میں بچوں کی ذہنی کیفیت بچوں میں الفاظ کی ادائیگی اور گھل مل جانے کی صلاحیت

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

بہت کم ہوتی تدریس تعلیم کا تعلق چونکہ زبان دانی سے ہے۔اس کا مقصد ہے کہ بچے کھل کر کسی زبان کو سمجھنے بولنے و سننے کی صلاحیت رکھیں۔بس پرائیمری سطح پر تدریس اُردو کے مقاصد ان ہی چار پانچ عناصر کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ابتدائی درجہ میں بچوں کی زبان گھریلو حالات سے نکل کر سماج و معاشرے کے سامنے نکل کر کھلی فضا میں سانس لیتی ہے۔ اور اس ضمن میں بچہ سماج اور معاشرے کے سامنے اپنے ماضی الضمیر کو ظاہر کرنے (بیان کرنے) میں جھجک محسوس کرتا ہے۔پرائمری سطح کے ان ابتدائی منزلوں کے لئے اُردو کا نصاب تعمیر کرتے وقت ان تمام ضروریات کو ملحوض نظر رکھا جائے۔تاکہ بچوں کی نشوونما مکمل طور پر ہوسکھے۔پرائمری جماعتوں کی ابتدائی سطح پر مندرجہ پانچ مقاصد ملحوض رکھنے ضروری ہیں۔یعنی ابتدائی جماعتوں میں تدریس اُردو کے پانچ مقاصد ہیں۔

۱۔ بولنا سیکھنا:۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے دنیا کی ہر کوئی زبان بولنے سے سیکھی جاتی ہے۔بچے تقلید ہوتے ہیں اور تقلید کرنا ان کی فطرت میں شامل ہے۔اس بات کی وضاحت کے سلسلے میں یہ مثال ایک وجود کامل کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہر بچہ اپنی مادری زبان بغیر لکھے اور بغیر پڑھے سیکھ لیتا ہے۔کیونکہ وہ اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر کا ماحول دیکھتا آوازیں سنتا اور دیگر کچھ محسوس کرتا رہتا ہے۔اگرچہ تقلید بچے کی فطرت میں شامل ہے اور وہ ہر چیز از خود سیکھتا رہتا ہے لیکن اور اپنی مادری زبان کے لکھنے اور پڑھنے سے بیشتر اسے بولنا سیکھ لیتا ہے۔پرائمری جماعتوں کی ابتدائی منزلوں میں تدریس اُردو کا ایک بہت بڑا مقصد بچوں کے تلفظ کو درست کرتا اور الفاظ اور جملوں کی ادائیگی صحیح طور پر استعمال کرنے کے ہیں۔اس صورتِ حال میں بچہ جب مندرجہ بالا قوتوں پر قابو پالے تو

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اپنے خیالات اور خواہشات کا اظہار اچھی طرح کرسکتا ہے۔ ماں کی گود سے نکل کر بچہ سکول کی فضا مین ایک عجیب وغریب ماحول دیکھتا ہے۔ اس کے سامنے بہت پیارے مختلف علاقوں اور گھرانوں کے بچے ہوتے ہس۔ جھجھک بچوں کے اندر ایک ایسی شے ہے۔ جس سے بچے ابتدسائی منزلوں میں اپنے مالضمیر کو دوسروں تک پہنچانے سے قاصر رہتے ہیں تدریس اُردو کا مقصد یہی ہے کہ بچہ ہر انسان کے سامنے بے جھجھک اپنے خیالات کا اظہار کرسکھے۔ زبان کی روانی اس میں موجود ہے۔ اور الفاظ کی ادائیگی تدریس اُردو کا فرض اولین ہے۔ اُردو کا تدریسی مطالعہ اگر چہ ذہنی معیار کا پاس رکھ کر ایسی زبان اور ایسے الفاظ نصاب میں شامل کئے جائیں جو بچوں کے بولنے میں کسی بھی قسم کی دقت پیش نہ کرے کسی بھی زبان کو مکمل طور پر سیکھ لینا بس یہی ہے کہ اس زبان کے بولنے میں روانی پیدا کی جائے وہ اپنے خیالات کا اظہار پیش کرنے سے الفاظ کے تابع نہ رہے۔

۲۔ سُننا سیکھنا:۔ بولنا بچوں کی فطری جہت میں شامل ہے۔ اور وہ جنم لیتے ہی آہ و پکار یا بے معنی آوازیں نکالتے رہتے ہیں۔ با معنی بولنا سیکھنے کے لئے ایک لازمی عمل ہے کہ بچے سننا سیکھ لیں اگر چہ بچے اپنی مادری زبان سیکھتے ہیں لیکن اس سے پیشتر ایک خاص ماحول مین کچھ آوازیں سن لیتے ہیں اور ان کی تقلید کر کے بولنے کا فریفہ انجام دیتے ہیں۔ اس طرح سے بچہ گھریلو ماحول مین مادری زبان مکمل طور پر سیکھ لیتا ہے۔ اُسے لکھنے پڑھنے کا علم کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن اس مادری زبان میں وہ اعراب واحد اور جمع کا استعمال قواعد وضوابط کا استعمال خاص طریقے سے کرتا ہے۔ حالانکہ لکھنے پڑھنے سے ابھی تک وہ قاصر ہوتا ہے۔ یہ سب سننے کی کارفرمائی ہے کہ وہ ایک زبان کو مکمل طور پر سیکھ لیتا ہے۔ اور اپنے چار برس کی عمر

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

میں اپنی ماضی الضمیر اپنی خواہشات کا اظہار ایک سلیقے سے ادا کرتا ہے۔

تدریس اُردو کا مقصد پرائمری سطح پر بچوں میں سننے کی خوڈ النا کے ہیں۔یعنی بچوں میں سننے کی عادت پڑ جائے اور وہ اپنے مدرس کے منہ سے ادا کئے گیے الفظ اور جملے مکمل طور پر سن سکے تا کہ ان کی تقلید کر کے بچہ بولنا سیکھ لے اُردو زبان کا تدریسی عمل میرے خیال میں سننے سے شروع ہوتا ہے۔اور یہ منزل ترقی کی مدارج طے کر کے ایک اعلیٰ منزل ہو جاتی ہے۔مادری زبان ایک معیاری زبان ہوتی ہے۔جب بچہ اس زبان کو مکمل طور پر سننے کے عمل سے تکمیل کا وجود بخشتا ہے اسی طرح تدریس اُردو کا مقصد بھی یہی ہے کہ کسی بھی زبان کو بولنے سے پہلے اس زبان کے الفاظ اور جملوں کی گونج بچہ سن کر اپنے نطق سے ادا کر لے۔

۳۔سمجھنا سیکھنا:۔زبان وبیان کے سلسلے میں الفاظ کا سننا سا ور اپنی زبان سے ادا کرنا اگر چہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ان دونوں سے زیادہ ایک اور صورت حال ہے جسے ہم سمجھنا کہتے ہیں۔ہر حال کسی بھی زان کا وجود اس کی عملداری اس کے الفاظ اور جملے اور اس کا استعمال تک بے معنی ہے جب تک اس زبان کو کوئی سمجھ نہ سکھے۔سمجھنا کسی بھی زبان کو ہر انسان کے لئے بنیادی مقصد ہوتا ہے۔چونکہ زبان کا استعمال اس ہی لئے ہوتا ہے کہ ایک انسان اپنے ماضی الضمیر یعنی اپنی خوشی کی کیفیت اپنے اندر رنج والم کا اظہار اور دیگر وجدانی کیفیتوں کا بیاں دوسروں سے کرے نہ صرف اتنا بلکہ وہ اپنا ماضی الضمیر بیان کرے۔اس سے بھی لازمی امر یہ ہے کہ اس کے بیان اظہار کو کوئی دوسرا سن کر سمجھ سکھے۔گو موجودہ دور کا شہر اور موجودہ دور کا گاؤں اگر چہ کائناتی شہر (Global City) اور کائناتی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

گاؤں (Global Village) بن گیا ہے تو پوری حد تک مختلف قوموں کے اپنے مافی الضمیر کے بیان کرنے اور اسے سمجھنے کی قوت اس کا ذمہ دار ہے۔ کسی بھی زبان کو سننا اور اپنے منہ سے بولنا ہی کافی نہیں جب تک کہ اُسے آسانی سے سمجھا نہ جا سکے۔

دراصل زبان کا وجود ہی اس لئے ہوا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی خواہشات اور کیفیات جان سکیں۔ پرائمری سطح پر تدریس اُردو کے مقاصد میں اُردو زبان کو سمجھنا ایک اولین مقصد ہے۔ کیونکہ پرائمری سطح کی ابتدسائی درجوں میں بچوں کے لئے معلوماتی اسباق بہت کم ہوتے ہیں۔ بلکہ سب سے زیادہ زور بچوں کی قوتِ فہم اور قوت ادراک کی طرف دیا جاتا ہے۔ مختلف تصاویر کے ذریعے زبان اور بیان کا مفہوم بچوں میں ذہن نشین کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ بچے ایک نئی زبان سیکھ کر اس کا استعمال بخوبی انجام دیں۔ اور اپنے دِل کی بات مزے لے لے کر موثر انداز میں پیش کر سکھیں، تاکہ سامعین کو سننے میں حظ میسر ہو۔ اور سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ غرض یہ کہ تدریسِ اُردو کا سب سے اولین مقصد اگرچہ بولنا سیکھنا ہے لیکن تدریسِ اُردو کا بنیادی مقصد اس ہی قوت فہم وادراک کے ساتھ منسلک ہے جسے ہم کسی بھی زبان کا سمجھنا کہتے ہیں۔

۴۔ لکھنا سیکھنا:۔ دنیا کی ہر شے قرار نہیں پاتی ہے بلکہ بے قراری سے ترقی کے راستوں کی طرف گامزن دکھائی دیتی ہے۔ زبان و بیان کے سلسلے میں یہی نشو ونما ترقی زبان کے سلسلے میں ایک نہایت اہم رول ادا کرتی ہے اور زبان و بیان کو محفوظ کر کے نسلوں کی نسلیں اس سے فیضیاب ہو سکتی ہیں۔ ابتدائی انسان نے سوچا کہ ہمارے قول و ہماری تاریخ رہتی دینا تک برقرار رہے اس ضمن میں انہوں نے مختلف طریقوں کا استعمال عمل میں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

لایا۔ جو قدرے بے سود ثابت ہوا تہذیب وتمدن اور معاشرت کے اصول وضوابط رسم و رواج نسل در نسل چلنے کے لئے فن تحریر کا عمل بہت زیادہ ہے۔ تحریر عمل میں اس لئے ہی لائی گئی یعنی تحریر کا وجود پڑھنے کے لئے عمل میں لایا گیا۔ اس طرح سے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ لکھنے کا بنیادی مقصد پڑھنا بھی ہے۔ اس ہی لئے لکھنا لکھنے کا عمل وجود میں لایا گیا۔

تحریر کے وجود سے یہ بات ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ انسان اپنے بول اپنے خیالات محفوظ کرسکتا ہے۔ اور کسی بھی زمانے میں اس محفوظ زبان سے کارآمد کام لئے جاسکتے ہیں۔ اُردو تدریس کا مقصد ابتدائی سطحوں پر بچوں کے اندر حروف، الفاظ اور جملے اور صفحات لکھنے کی خو ڈالنا ہے۔ شروع میں اُردو کے مدرس کو چاہئے کہ پرائمری سطح کی ابتدائی منزل میں بچوں کو حروف سے متعلق لکھنے کا عمل سکھایا جائے۔ جب اُردو کا مدرس اس منزل سے گزر جائے تو مختلف حروف کا مجموعہ جو لفظ کہلاتا ہے۔ اس کے لکھنے کی مشق بچوں کو کرائی جائے۔ تاکہ بچے زبان دانی کے اس طویل سفر کو بحسن خوبی انجام دیں۔ پرائمری سطح پر بچوں کے لکھنے کی عادت جس طرح پڑ جائے یہ عادت ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمیشہ رہتی ہے۔ طلباء کی درجہ بندی کی منزل اولین طبقہ ابتدائی منزل ہے جس کے نقوش طلباء کی ہر منزل پر جلوہ نما ہوتے رہتے ہیں۔ طلباء کے اندر خوش خط کی ایسی ہر منزل پر جلوہ نما ہوتی رہتی ہیں۔ طلباء کے ابتدائی نقوش طلباء کی ہر منزل پر رونما ہوتے رہتے ہیں۔ طلباء کے اندر خوش خط کی ایسی خو ڈالنا اُردو کے مدرس کا مقصد نمایاں ہونا ہے۔ چونکہ تحریر ہی ایک ایسی شے ہے جو تعلیم وتدریس کے سلسلے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے اس طرح پرائمری سطح پر تدریس اُردو کا مقصد بچوں میں تحریر کے تمام گروں سے واقف کرانا اور تحریر سے متعلق نشو ونما

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کی تمام منزلیں طے کرانا ہے۔

مختصراً یوں کہ تحریر اس ہی لئے وجود میں آئی کہ تعلیم وتدریس کے ساتھ ہی اپنی ارتقائی منزلوں کی طرف گامزن رہے تعلیم وتدریس کے تمام اجزاء بس اس ہی ضمن میں کوشاں رہتے ہیں کہ کسی بھی تحریر کو بچے پڑھ سکیں۔ دراصل تعلیم وتدریس کا دوسرا مقصد پڑھنا کے ہیں چونکہ تحریر کا وجود اگرچہ ہوا حروف والفاظ عمل میں لائے گے جن سے جملوں کا قیام ہوا یہ تمام چیزیں پڑھنے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ تدریس اُردو کا مطلب اگرچہ پڑھنا لکھنا ہے۔ یہ خواندگی کا اعزاز طلباء کے ساتھ جب ہی لگتا ہے کہ وکسی بھی تحریر کو پڑھنے کے قابل ہو۔ ابتدائی سطح پر اُردو زبان کی تعلیم وتدریس کا مقصد بچوں کے اندر پڑھنے اور روانی کے ساتھ پڑھنے کی خوڈالنا ہے۔ اُردو کے مدرس کو چاہئے کہ اہ الفاظ اور جملوں کا تلفظ صحیح طریقے سے کرے تاکہ بچے اس کی نقل کر کے الفاظ کی ادائیگی کا حق ادا کر سکیں۔ پرائمری سطح پر تدریس کے مقاصد کی آخری منزل اُردو پڑھنا ہے تاکہ آئندہ آنے والی مختلف سطحوں پر طلبہ اُردو ادب کے مختلف اصناف سخن اور اصناف نثر سے واقف ہوں۔

تعلیم وتدریس کے وسطی درجوں (مڈل) سطح پر تدریس اُردو کے مقاصد بیان کیجئے

اُردو ادب کی تعلیم وتدریس کا جہاں تک تعلق ہے۔ مختلف جماعتوں میں مختلف سطحوں پر تدریس اُردو کے مقاصد الگ الگ اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے زبان کے مختلف اصولوں سے واقف کراتے ہیں۔ لیکن وسطی سطحوں پر اُردو ادب کی تعلیم وتدریس کے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مقاصد وسیع و جامع ہونے کے ساتھ ہی ساتھ طلبہء کی انفرادی نشوونما میں بھی ایک اہم رول ادا کرتے ہیں۔ وسطی سطح پر تدریس اُردو کے مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

۱۔قوتِ فکر کی نشوونما کرنا:۔ انسان حیوان ناطق ہے جسے صاف لفظوں میں ہم سوچنے والا جانور کہتے ہیں۔ پرائمری سطح سے گذرنے کے بعد طلبہء کی ذہنی کشمکش بڑھ جاتی ہے اور وہ قدرتی اشیاء کے ردعمل پر سوچ و چار کرتا ہے۔ تدریس اُردو کا مقصد یہی ہے کہ ثانوی سطح کے طلباء اپنی قوت فکر کی نشوونما مثبت انداز میں کریں۔ کیونکہ طالب علم کی یہ وہ سطح ہے جس میں اُسے بھٹکنے کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ فکر کرنا ہر انسان کا ایک لازمی امر ہے۔ لیکن فکر میں مثبت رویہ اور اس کی نشوونما کرنا تدریس اُردو کا مقصد اولین ہے۔ طلبہ کے ذہنی معیار کے مطابق قوت فہم وادراک طلبہ میں چھپا رہتا ہے۔ اُردو کے مدرس کو چاہئے کہ اس قوت فہم وادراک کا ازالہ کر کے اس کی نشوونما میں کوشاں ہے۔ تاکہ طلبہ کی فکر مثبت رویہ اختیار کر کے نشوونما کے مدارج طے کر کے اعلیٰ منزل پر پہنچ جائیں۔

۲۔قوتِ فیصلہ کی صلاحیت پیدا کرنا:۔ وسطی سطح کے طلبہء کسی بھی فیصلہ کن رویہ پر پہنچنے سے ہمیشہ قاصر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں وہ پختہ صلاحیتیں ابھی موجود نہیں ہوتی جس سے وہ کسی فیصلہ کن رائے پر پہنچ سکیں۔ پرائمری سطح پر سے گذرنے کے بعد وہ اپنے محدود مطالعے اور محدود علمی صلاحیتوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ لیکن وسطی درجہ کی کلاسوں میں آتے ہی انہیں کئی معاملات کے فیصلے مطلوب ہوتے ہیں اور اس طرح کے فیصلے کرنا ان کے لئے مشکل کا باعث ہو جاتا ہے۔ وسطی سطح پر تدریس اُردو کا بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ اُردو کا مدرس بچوں میں اتنی صلاحیتیں پیدا کردے کہ وہ اپنے کسی بھی مسئلے کا فیصلہ از خود کر سکیں۔ بہر الحال

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بچوں میں قوت فکر کی نشو ونما رائے کا اظہار کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔لیکن اب تک بچوں میں خود اعتماد کی سب سے بڑی کمی واقع ہوتی ہے۔وسطی سطح پر تدریس اُردو کا مقصد بس ہی ہے کہ وہ اپنے فیصلہ کن رویے اور مثبت اظہار بیان کو ظاہر کرنے سے قاصر نہ ہوں بلکہ بلا جھجک سچ اور جھوٹ کا مواذنہ کر کے حق اور باطل میں نمایاں تفرقات بیان کر سکیں۔

۳۔قوتِ تخیل کی نشونما کرنا:۔ تخیل انسان کے اندر ایک فطری جذبہ ہے جو انسان کو اپنے زماں و مکاں سے نکال کر فضا کی رنگین پناہوں میں لے کر اُسے حظ بخشتی ہے۔ قوتِ تخیل کا جذبہ فطری طور ہر ہر ذی روح میں موجود ہے۔لیکن نشونما کی بنا پر کوئی تخیل کی اعلیٰ مدارج طے کر لیتا ہے اور کوئی اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ثانوی سطح پر تدریس اُردو کا مقصد تخیل کی قوت کو ترقی دینا اور نئی منزلوں کی طرف نشاندہی کرنے کے ہیں۔ثانوی سطح کے طلباء میں بہت سے صلاحتیں سر اُٹھا رہی ہوتی ہیں۔جو قوتِ تخیل سے منسلک ہیں تدریس اُردو کا مقصد ان تمام صلاحیتوں کو مثبت لائحہ عمل کی طرف گامزن کرنے کے ہیں۔تخیل وہ قوتِ فطری ہے جس سے بچوں کے اندر قوتِ ایجادات پیدا کی جاسکتی ہیں۔بچوں کے ذہنی معیار کے مطابق اُردو کا نصاب متعین کیا جائے اور ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کی نشو ونما کی جائے۔ثانوی یعنی وسطی سطح پر تدریس اُردو کا بہت بڑا مقصد ہے۔

۴۔تقریر وتحریر پر مہارت حاصل کرنا:۔ کسی بھی زبان کے سیکھنے سے مراد اس زبان کے بنیادی کام طلباء از خود کر سکیں۔زبان کے سیکھنے سے مراد اس زبان کی بول چال میں روانی پیدا کرنے اور اُسے خوش خط تحریر کرنے سے ہے۔تعلیم تدریس اُردو کا مقصد ثانوی سطح پر بچوں کے اندر تقریر کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔تاکہ ساتویں یا آٹھویں جماعت کے طلباء اپنے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تخیل سے مناسبت رکھنے والے تمام خیالات کا اظہار کسی بھی انفرادی شخص یا اجتماعی لوگوں کے سامنے بلا جھجھک پیش کرسکیں۔ چونکہ ابھی تک طلباء کے ذہنی معیار اُن کی قوت فطری اور قوت تخیل کی نشو ونما ہوئی ہوتی ہے۔ اُنہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے پاس الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ ہوتا کہ وہ اپنے تخیل پر مبنی اپنی فکری اور داخلی جذبات کا بیان با آسانی کرسکیں۔ تحریر کسی بھی زبان کا دوسرا بنیادی اور اہم جز ہے۔ جس کے بنا کوئی بھی نئی زبان کے سیکھنے کا عمل پایہ تکمیل پر نہیں پہنچ سکتا۔ تدریس اُردو کا مقصد یہی ہے کہ وسطی سطح پر طلبہ اُردو زبان کے لکھنے میں مہارت حاصل کرسکیں تا کہ اپنے خیالات کا اظہار دوسروں تک پہنچانے میں کامیاب ہوسکیں۔

۵۔ضروریاتِ زندگی کی معلومات حاصل کرنا:۔ ثانوی درجہ کے طلباء اپنی زندگی کے اس مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں جہاں انہیں زندگی اور سماج کے آپسی تعلق کے بارے میں معلومات کا پتہ لگانا پڑتا ہے۔ تیرہ (13) سے انیس (19) برس تک کے بچے اپنی گھریلوں زندگی اور اپنی ذاتی زندگی کا تجربہ حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ جہاں ان کے ذہن میں مختلف افکار نشو ونما پاتے ہیں وہاں انہیں زندگی کی ضروریات کی معلومات فراہم کرنا ایک لازمی امر بن جاتا ہے۔ وسطی سطح پر تدریس اُردو کا مقصد ضروریات زندگی کی معلومات فراہم کرنا ہے۔ تا کہ بچے روز مرّہ کی زندگی اور روز مرّہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کو نہ صرف محسوس کرسکیں بلکہ بہت حد تک ان مسائل کا حل بھی کرسکیں۔ موجودہ دور میں ثانوی سطح کے طلباء کی سب سے بڑی مشکلات یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی ذمہ داری کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مدرس اُردو کو چاہئے کہ وہ طلباء کے اندر زندگی کی بنیادی ضروریات کا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

احساس پیدا کرے اور اس موجودہ دور کی بھاگ دوڑ میں طلباء ذمہ دار اور خود اعتماد بن جائیں۔

۶۔مختلف اصناف ادب سے واقفیت حاصل کرنا:۔ اُردو زبان کی تعلیم وتدریس کا ایک وسیع اور جامع مقصد وسطی سطح پر مختلف اصناف ادب کی واقفیت دِلانے کا ہے۔ اُردو ادب بین الاقوامی سطح پر عالمی ادب کی صف میں اگر چہ کھڑا ہے۔ تو اس معیاری زبان کی تمام اصناف سخن سے واقف کرایا جائے۔ اُردو ادب کا یہ تدریسی مقصد ایک گونا گوں صلاحیت لئے ہوئے ہے۔ جس صلاحیت کی بناء پر طلباء کے اندر ان کے زندگی کے مختلف پہلوؤں کی نشونما ہوتی ہے۔ ثانوی سطح پر اُردو نصاب کے لئے ضروری ہے کہ نثر اور نظم دونوں صورتوں میں طلباء کے ذہنی اور طبعی ذوق کا پاس رکھا جائے۔ تا کہ ہمہ جہت صورتِ حال میں طلباء کی نشونما ہو۔ اُردو شاعری کی تمام تر اصناف بچوں کے ذوق سلیم سے مطابقت رکھتی ہیں جس سے بچوں کی قوتِ فکر اور قوتِ تخیل کو تقویت ملتی ہے۔ اُردو نثر اس بات کی حامی ہے کہ طلباء کے اندر اخلاق کا جذبہ پیدا کیا جائے اور دنیا کی بہت ساری معلومات فراہم کی جائے۔

۷۔اخلاق کی تربیت کرنا:۔ وسطی یعنی مڈل سطح کے طلباء خام لوہے کی مانند ہوتے ہیں۔ جنہیں بھٹی میں ڈلا کر اور انہیں نرم کر کے ہر طرف موڑا جاسکتا ہے۔ بہترین اخلاقی عادات واطوار کے طور طریقے اس سطح پر بخوبی سکھائے جاسکتے ہیں طلباء کی طالب علمی کی زندگی میں یہ وہ سطح ہے جس کے نقوش دیر پا اثرات رکھتے ہیں۔ اُردو ادب کی تدریس کا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بہت بڑا مقصد طلباء میں اخلاق کی تربیت اور نشونما کرنے کے ہیں تا کہ بچے اپنے آپ کو سماج کے تمام اصولوں کا پاس رکھیں۔ اور اپنے آپ کو سماج کا ایک حصہ جان کر اس میں ایک نمایاں کردار ادا کر سکیں۔ وسطی سطح پر اُردو کے مدرس کو چاہئے کہ وہ اخلاق کے متعلق مضامین، کہانیاں، اور نظمیں موثر انداز سے پڑھا کر مثالوں سے سے ان کی اہمیت جتا کر طلباء کے اندر اخلاق کا جذبہ پیدا کرے۔ اُردو کے نصاب کا جہاں تک تعلق ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ نساب میں ایسے مضامین شامل کئے جائیں جو اخلاق پر مبنی ہوں، چونکہ تدریس اُردو ادب کا مقصد بچوں کی ہمہ جہت نشونما سے منسلک ہوں۔

۸۔ شعر وادب کی دِلچسپی پیدا کرنا:۔ تدریس اُردو ادب کا بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو اُردو شاعری کے رموز سے واقف کرایا جائے اور وہ اشعار کے اندر پائی جانے والی خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہو سکھے۔ تا کہ شعر کا مفہوم سمجھ سکیں اور شاعر پوشیدہ طور رمز و کنایہ میں جو بات بیان کر رہا ہو بچے اس سے واقف ہو سکیں شعر وادب کی دِلچسپی کا مطلب یہ ہے کہ وہ شعر وادب کی بنیادی رموز سے بچوں کو واقف کرایا جائے تا کہ بچے شعر وادب میں ہر پوشیدہ اخلاقی درس سے واقف ہو سکیں۔

مختصراً یوں کہ اُردو کی تدریس وسطی سطح پر ایک اور وسیع مفہوم لئے ہوئے ہے۔ اور بچوں کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہوئے ثانوی سطح کے طلباء اُردو ادب کی تدریس سے بہت حد تک فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ لکھنے کی روانی، الفاظ کی ادائیگی تلفظ کے ساتھ اور ضروریات زندگی کے تمام مسائل اس میں شامل ہوں۔ غرض یہ کہ ثانوی سطح پر اُردو زبان و ادب کی تدریس بچوں کی تعلیم و تربیت میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

توضیحات یا امدادی سامانِ تعلیم
(Teaching Aids)

عام ملحوظات:۔ مدرسے کی تعلیم کو موثر بنانے کے لیے مختلف قسم کے ساز و سامان اور دیگر وسائل استعمال کیے جاتے ہیں۔ امدادی سامان تعلیم میں سمعی و بصری وسائل کے علاوہ وہ مشاغل شامل ہوتے ہیں جو رسمی نصاب کو موثر اور زیادہ مردنی خیز بنانے کے لیے مدرسے کے نادر منظّم کیے جاتے ہیں۔ آخر الذکر سے آموزش کی تحریک اور اوّل الذکر سے تعلیمی عمل میں سہولیت پیدا ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں ان کی تیاری، فراہمی اور تنظیم پر بہت توجہ صرف کی جاتی ہے، لیکن ہمارے ملک میں ان کا استعمال بہت محدود ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ملک ابھی ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ اس لیے تعلیم کی ترقی اور توسیع پر بہت کم رقم صرف کی جاتی ہے۔ چنانچہ مدرسوں کے اندر جدید ساز و سامان اور وسائل کا استعمال بہت محدود ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ابھی تک ہمارے بیشتر مدارس میں تختۂ سیاہ کی فراہمی کا بھی اطمینان بخش انتظام نہیں ہو پایا ہے۔ ایسی صورت میں جدید آلات و وسائل کی گفتگو بے معنی ہے۔ تاہم استاد اگر ان کے استعمال سے واقفیت رکھتا ہو، تو محدود طور پر ہی سہی، ان کا استعمال کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ طلبہ کے اندر اپنے مضمون سے دِلچسپی پیدا کرانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ اور تدریسی عمل کو خوشگوار بنانے کے لیے مناسب ماحول پیدا کر سکتا ہے۔ لہٰذا تربیت یافتہ اور زیرِ تربیت اساتذہ کے استفادے کے لیے امدادی سامان تعلیم اور دیگر وسائل کو علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کیا جا رہا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۱۔ امدادی سامان تعلیم

اُردو زبان کی تدریس میں امدادی سامان تعلیم کا استعمال پرائمری درجات میں زیادہ ہوتا ہے۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اس کے استعمال کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پرائمر درجات اور زبان کی بنیادی مہارتیں سکھائی جاتی ہیں۔ لہٰذا شاگردوں میں لسانی مہارت پیدا کرانے اور اختلاف مادی سے الفاظ اور تصورات کا مفہوم سمجھانے میں امدادی سامان تعلیم بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ لیکن ثانوی منزل پر لسانی مہارتوں کی توسیع اور شعروادب کی تعلیم چونکہ مقصود ہوتی ہے اس لیے ان کے استعمال کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ تاہم استاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان کے استعمال سے بخوبی واقف ہو تاکہ موقع محل کی مناسبت سمعی وبصری سے ان کا موثر استعمال کر سکے۔

سمعی وبصری توضیحات:۔ امدادی سامان تعلیم میں دو قسم کا سامان شامل ہوتا ہے۔ ایک سمعی دوسرا بصری۔ سمعی سامان میں گراموفون، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر اور بصری سامان میں چارٹ، نقشہ اور ماڈل وغیرہ شامل ہوتا ہے۔ لیکن بعض سامان ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سمعی اور بصری دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جیسے ٹیلی ویژن اور فلم۔ لہٰذا ایسے تمام سامان کو سمعی وبصری وسائل کے تحت شمار کیا جاتا ہے۔

سمعی وبصری ساز وسامان کے زریعے مدرسے کی تعلیم کو دِلچسپ اور موثر بنانے میں مدد ملتی ہے۔ ماہرینِ تعلیم کا کہنا ہے کہ ہمارے تصورات بڑی حد تک بصری اور سمعی تجربات پر مبنی ہوتے ہیں اور اُن سے درج ذیل تعلیمی فوائد حاصل ہوتے ہیں:۔

۱۔ سمعی وبصری وسائل سے تجربات وسیع ہوتے ہیں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۲۔اختلاف مادی کے زریعے الفاظ وتصورات کو سمجھنے میں سہولیت پیدا ہوتی ہے۔

۳۔تصورات کی تفہیم میں طلبہ کو کم وقت درکار ہوتا ہے۔

۴۔سمعی و بصری وسائل کے زریعے مستند معلومات حاصل ہوتی ہیں اور حصول معلومات کا عمل سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔

۵۔ان وسائل کے ذریعے تحسین کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔

۶۔ان کے توسط سے مبہم اور پیچیدہ تصورات کی تفہیم میں سہولیت پیدا ہوتی ہے۔

۷۔سمعی و بصری وسائل کی مدد سے خیال آرائی کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور مشاہدے کی قوت بڑھتی ہے۔

مذکورہ بالا فوائد کے پیش نظر اُردو کے استاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ درج ذیل امدادی سامان تعلیم کے استعمال سے واقف ہوں:-

2۔ تختۂ سیاہ

کمرۂ جماعت کے اندر ایک صاف ستھرے تختۂ سیاہ کا ہونا بہت ضروری ہے، تاکہ استاد حسب ضرورت اس کا استعمال کر سکے۔ایک تجربہ کار اور اخلاق استاد کا مرکز محض تختۂ سیاہ کے استعمال پر ہی نہیں ہے اُسے بلکہ تختۂ سیاہ کے تخلیقی استعمال پر قدرت ہونی چاہئے۔

زبان کا اُستاد عام طور پر تدریس کے دوران درج زیل کاموں کے لیے تختۂ سیاہ کا استعمال کر سکتا ہے۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۱۔تلفظ کی مشق:۔ استاد ان الفاظ کو جو تلفظ کے اعتبار سے مشکل ہوں تختہ سیاہ پر صاف صاف لکھ کر انفرادی طور پر طلبا سے تلفظ کی مشق کرا سکتا ہے۔

۲۔اخذ معنی:۔ الفاظ کے معنی اخذ کرانے کی منزل زبان کے سبق کی ایک اہم منزل ہوتی ہے۔ اس لیے استاد کو اس کام سے متعلق تختہ سیاہ کے بہتر استعمال کے طور طریق سے واقف ہونا ضروری ہے۔

اخذ معنی کی منزل پر تختہ سیاہ کو موثر ڈھنگ سے استعمال کرنے کے لیے اگر استاد رنگین چاک کا استعمال کرے، تو زیادہ مناسب ہوگا۔ مثال کے طور پر لفظ اور معنی لکھنے کے لیے جب تختہ سیاہ پر دو کالم بنائے جائیں، تو عنوان یعنی لفظ اور معنی، رنگین چاک سے اور باقی کام سفید چاک سے کیا جا سکتا ہے۔ کسی اہم لفظ کی با ترکیب کی نشان دہی کرنی ہو تو رنگین چاک سے اس کے نیچے یا اوپر خط کھینچا جا سکتا ہے۔ مشقی سوالات اور طلبہ کے جوابات بھی تختۂ سیاہ پر لکھتے وقت اہم نکات اور تراکیب کی شناخت کے لیے رنگین چاک کا استعمال کرنا چاہیے۔

تختۂ سیاہ پر لکھتے وقت استاد کو حسب ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:۔

۱۔ بائیں طرف کھڑے ہو کر لکھیں تا کہ شاگردوں کو دیکھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ مشقی اسباق کی نگرانی کے دوران اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ استاد تختۂ سیاہ پر لکھتے وقت تختۂ سیاہ کو ڈھک لیتا ہے اور تختۂ سیاہ سارے شاگردوں کو نظر نہیں آتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ استاد لکھتے وقت تختۂ سیاہ کے بائیں کنارے پر کھڑا ہو۔

۲۔ سیدھی سطر میں لکھنے کی کوشش کریں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۳۔ لکھتے وقت حروف کی بناوٹ، دائروں اور شوشوں کا خاص طور سے خیال رکھیں۔

۴۔ لکھتے وقت چاک سے کوئی آواز نہ پیدا ہو۔

۵۔ تختۂ سیاہ کے درمیانی حصے میں لکھنے کی کوشش کریں تا کہ تمام شاگردوں کو سہولیت کے ساتھ نظر آئے۔

۶۔ عنوان ذیلی عنوان اور اہم نکات کو واضح کرنے کے لیے رنگین چاک کا استعمال کریں، تو بہتر ہوگا۔

2۔ چارٹ اور تصاویر

زبان کی تدریس میں تصاویر سے بھی استفادہ لیا جا سکتا ہے۔ ہر چند کہ ابتدائی درجات میں اس کے استعمال کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ تاہم ثانوی منزل پر بھی اس کا محدود استعمال ہوسکتا ہے۔ خاص طور سے سبق کی ابتدائی منزل یعنی تمہید کے موقع پر چارٹ اور تصاویر سے کام لیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر اُردو کے عنصر خمسہ کو متعارف کرانا مقصود ہو، تو ایک ایسا چارٹ تیار کیا جا سکتا ہے جس میں سرسیّد اور اُن کے رفقاء کو اس طرح دکھایا جائے کہ سرسیّد کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ اس طرح مشاہیرین اُردو کی تصاویر بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔ بشرطیکہ تصاویر بڑے سائز میں دستیاب ہوسکیں۔

3۔ ماڈل

ثانوی سطح پر زبان وادب کی تعلیم میں ماڈل کے استعمال کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن انشا کے کام میں کسی حد تک ماڈل سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اگر انشا کا موضوع کوئی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

شے ہو، تو موضوع کا خاکہ تیار کراتے وقت طلبا کو اس شے کا ماڈل دکھایا جا سکتا ہے اور ان میں تخئیل آرائی کی تحریک پیدا کی جا سکتی ہے۔

4۔ فلم پروجیکٹر

اُردو کے اسباق پڑھاتے وقت بعض اوقات یہ ضرورت پیش آئی ہے کہ ادیبوں اور شاعروں کی تصاویر دکھائی جائیں یا ادبی جلسے، مشاعرے یا مناظرے کا کوئی منظر طلبا کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کے زریعے طلبا کو اظہار خیال کا موقع دیا جائے۔ پروجیکٹر پر چونکہ تصویریں یا فلم پٹی بڑے سائز میں دکھائی جا سکتی، اس لیے درس وتدریس میں یہ بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

5۔ گراموفون ولنگوفون

اُردو کی تعلیم میں گراموفون اور لنگوفون کا استعمال خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتا ہے۔ گراموفون پر کہانیاں، نظمیں اور مرثیے سنائے جا سکتے ہیں اور طالب علموں کے سامنے خوش خوانی کا عمدہ نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ لنگوافون کے استعمال سے تلفظ اور ادائیگی الفاظ کی بہتر تربیت کی جا سکتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں تلفظ درست کرانے کے سلسلے میں لنگوافون سے بہت مدد لی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں بھی اس کا رواج ہوتا ہے۔ مباحثے کے لیے موضوعات کا انتخاب کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس لیے اگر موضوع طلبا کی دِلچسپی کا باعث نہ ہو، تو مقصد فوت ہو جائے گا۔ لہٰذا مباحثے کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب کرانا چاہئے، جن پر طالب علم اظہارِ خیال کرنا پسند کرتے ہوں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اس سلسلے میں استاد کی رہنمائی بہت ضروری ہے۔

6۔ دیواری رسالہ

کئی بار اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ تحریر کا تقریر سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ اس کے پیش نظر مدرسے کے اندر دیواری رسالے کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔ اس کے زریعے تخلیقی انشا کے بہتر مواقع طالب علموں کو فراہم کیے جاسکتے ہیں۔، اور تخلیقی انشا سے متعلق اُن صلاحیتوں کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ جو ادائل عمر سے ہی بچوں میں نظر آنے لگتی ہیں۔ ثانوی منزل پر پہنچ کر عموماً طالب علموں میں تقریر و تحریر کی اپنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ صحت و صفائی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں اور کسی منظر یا واقعے کو اچھوتے اسلوب میں بیان کر سکیں۔ اظہار و بیان کی اس صلاحیت کو فروغ دینا مدرسے کا اہم فرض ہے۔

طلبا سے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کرانے کے سلسلے میں انتخاب موضوع کا مسئلہ بہت نازک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تمام موضوعات طلبا کی دِلچسپی کا باعث نہیں ہوتے، بعض موضوعات ایسے ہوتے ہیں، جن پر اظہار خیال کے بجائے علم عملی حیثیت سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لیے موضوعات کا انتخاب کراتے وقت طالب علم کی عمر، ماحول اور دِلچسپی کا خیال کرنا ضروری ہے۔

دیواری رسالے کے لیے مضمون لکھوانے سے پہلے ہی طالب علموں کو ضروری ہدایات واضح طور پر دے دینی چاہئیے۔ طالب علم اگر ایک مقرر سائز کے کاغذ پر مضمون لکھیں، تو مناسب ہوگا۔ مضامین خوش خط ہونے چاہئیں۔ عنوان، ذیلی عنوان اور پارہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بندی کا خیال رکھنا چاہئے۔ نفس مضمون میں ربط اور تسلسل کا ہونا ضروری ہے۔ مضمون چسپاں کرنے سے پہلے استاد کو اچھی طرح اطمینان کر لینا چاہئیے کہ مضمون میں کوئی غلطی تو نہیں رہ گئی ہے۔ خاص طور سے املا کی غلطیوں پر بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

دیواری رسالے کے قیام سے طلبا کو عام طور پر اُردو زبان و ادب کے طالب علموں کو خاص طور پر بہت مدد ملتی ہے۔ ان کے اندر اظہار خیال کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ مضمون نگاری کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور ذوقِ ادب کی نشو ونما ہوتی ہے۔

منصوبہ سبق (Lesson Plan)

مفہوم اور اہمیت: تدریسی عمل کو موثر بنانے کے لیے استاد کو بہت سے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے مضمون کو اچھی طرح تیار کرنا پڑتا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے تدریسی سامان فراہم کرنا پڑتا ہے اور سبق کی اچھی طرح تیاری کرنی پڑتی ہے۔ سبق کی تیاری میں موضوع کا تعین، مواد کا انتخاب، مواد کی اکائیوں میں تقسیم، ترتیب و تنظیم اور مختلف اکائیوں کے درمیان ربط اور تسلسل کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اور ان تمام تفصیلات کو جب سلسلہ وار قلمبند کر لیا جاتا ہے تو وہ اشارات سبق کہلاتے ہیں۔

اشارات سبق دراصل شعوری طور پر استاد کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ استاد چاہے کتنا ہی لائق کیوں نہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مجوزہ سبق کی تمام تفصیلات پر غور کرے اور سبق سے متعلق اہم نکات کو ذہن نشین کرے۔ اگر وہ ان تمام ضروری امور کو نظر انداز کر کے بغیر کسی تیاری کے کمرۂ جماعت میں چلا جائے تو اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اس قسم کی تدریس سے نہ تو اس کی تدریسی صلاحیتوں کو تسکین ہوگی اور نہ ہی طلبا کو

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh. Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔ اس کے برعکس ایک اوسط لیاقت کا استاد بھی اگر سبق سے متعلق تمام جزئیات پر غور کرے اور اہم امور کو قلم بند کر لے، تو تدریسی عمل میں یقیناً کامیاب ہوگا۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ٹریننگ کالجوں میں مشقی اسباق پر خاص طور سے توجہ دی جاتی ہے۔ اور مشقی اسباق کے دوران خصوصیت کے ساتھ سبق کے اشارے تیار کرائے جاتے ہیں۔ اسی طرح زیرِ تربیت اساتذہ کو اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ سبق پڑھانے سے پہلے تدریسی نکات اور اقدامات سبق پر غور کر لیں۔ اور اپنی سہولیت کے لیے انھیں نوٹ بھی کر لیں تاکہ پڑھاتے وقت وہ تمام ساز وسامان سے لیس رہیں۔ زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے اس کی اہمیت یوں بھی زیادہ ہے کہ اُن کو درس وتدریس کا کوئی عملی تجربہ نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو بہت معمولی سا۔ اس لیے خام استاد جب اشارات سبق تیار کر کے کمرۂ جماعت میں داخل ہوتا ہے، تو یقیناً زیادہ اعتماد کے ساتھ شاگردوں کے ساتھ رابطہ قائم کرتا ہے اور زیادہ اطمینان کے ساتھ سبق پڑھاتا ہے۔

اشارات سبق ہر چند کہ استاد کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہے۔ لیکن کوئی ایسی پتھر کی لکیر نہیں ہوتے، جن سے سرِ مُو انحراف گوارا نہ کیا جا سکے۔ بلکہ ضرورت، مصحت اور موقع محل کے لحاظ سے اُن میں تبدیلی کی گنجائش ہوتی ہے۔ اشارات سبق استاد پر پابندی نہیں عائد کرتے۔ بلکہ رہنمائی کرتے ہیں۔ لہٰذا موثر اور تخلیقی تدریسی کے لیے ضروری ہے کہ استاد، اشارات سبق تیار کر کے کمرۂ جماعت میں داخل ہو۔

ٹریننگ کالجوں میں اشارات سبق تیار کرنے کا کام عام طور پر اس نہج پر ہوتا ہے، جو ہربارٹ نے تجویز کیے تھے۔ یہ عمل قابل تشویش ہے کہ درس وتدریس سے متعلق جو بھی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تحقیقات عمل میں آئی ہیں، اُن میں سبق کے اشارات کی تیاری پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اشارات سبق کی تیاری کے سلسلے میں بات ہربارٹ کی پانچ منزلوں سے آگے نہیں بڑھتے اور مشقی اسباق کے دوران زیادہ تر اشارات سبق ہربارٹ کے ہی رسمی اقدامات کی بنیاد پر تیار کیے جاتے ہیں۔ جبکہ یہ اقدامات تعلیم کے جدید نفسیاتی اصولوں سے پورے طور پر ہم آہنگ نہیں ہیں۔

ہربارٹ کا منصوبہ سبق، معلوماتی اسباق کے لیے تو موزوں ہے، لیکن مہارتی اور ذوق اسباق کلے لیے مناسب نہیں۔ مہارتی سبق کا مقصد مہارت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے اقدامات سبق معلوماتی اسباق کے اقدامات سے مختلف ہوں گے۔ اسی طرح موسیقی، ڈرائنگ اور نظم کے اسباق کو ہربارٹ کی پانچ منزلوں کا پابند بنانا موزوں نہیں۔ اس لیے کہ ان اسباق کا مقصد حسنِ لطیف اور ذوقِ سلیم کی تربیت ہے، معلومات بہم پہنچانا نہیں۔

ہربارٹ نے جن تعلیمی اصولوں پر سبق کی بنیاد رکھی ہے، اس کے مطابق حصول علم کے لیے چند منزلوں سے گزرنا ضروری ہے۔ اس کے نظریات کی رو سے تعلیم کا مقصد سیرت کی تعمیر ہے۔ سیرت کی تعمیر کا انحصار قوتِ ارادی پر ہے۔ اور ارادے کا انحصار خواہشات پر، اور خواہشات کا دِلچسپی اور دِلچسپیوں کا تعلق سلسلۂ خیال سے ہے۔ ہربارٹ کی منطق یہ ہے کہ اگر تعلیم کے عمل میں سلسلۂ خیال کو اس طرح منظم کر دیا جائے کہ اس کے اندر کوئی خلا باقی نہ رہے، تو سیرت پختہ ہو جائے گی اور تعلیم کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

ہربارٹ نے سلسلۂ خیال کی بہتر تنظیم کے لیے اجتماع مضامین کا تصور پیش کیا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے۔اور کسی ایک مرکزی مضمون کے زریعے دیگر مضامین کو مربوط کرنے کا طریقہ تجویز کیا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ یہ سلسلۂ خیال کی تنظیم کا ایک موثّر ذریعہ ہے۔چونکہ ہربارٹ کا تصور تعلیم محدود ہے اور نئی تعلیم کے تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہے۔اس لیے سبق کے اشارات تیار کرتے وقت کلپیٹا ہربارٹ کے قدامات سبق کی سفارش نہیں کی جاسکتی، بلکہ اسباق کی نوعیت کے اعتبار کے طریقۂ کار میں تبدیلی لانا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا اسباق کی روشنی میں اشاراتِ سبق تیار کرتے وقت درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے:-

1۔مواد مضمون کا انتخاب:۔ مواد مضمون کا انتخاب اشارات سبق کی اوّلین ضرورت ہے۔اس کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔کہ سبق کس درجے کے لیے تیار کرنا ہے۔طالب علموں کی عمر کیا ہے۔ان کے معیار، ماحول اور دِلچسپیوں کا کیا تقاضا ہے۔پھر یہ کہ مضمون کے لیے ٹائم ٹیبل میں کتنا وقت فراہم کیا گیا ہے۔اگر مضمون مواد کے انتخاب میں ان تمام پہلوؤں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ کامیابی کے ساتھ سبق کی تدریس ممکن نہیں ہوسکے گی۔

2۔موادِ مضمون کی تنظیم:۔ مواد مضمون کے انتخاب کے بعد دوسری اہم منزل یہ ہے کہ اس کو مختلف اجزاء میں تقسیم کرلیا جائے۔یہ تقسیم اس طرح ہونی چاہئے کہ تمام اجزاء کے درمیان ایک باہمی ربط بھی قائم رہے یعنی پورے سبق کو مختلف اکائیوں میں اس طرح بانٹ لیا جائے کہ اُن کے درمیان ایک تسلسل قائم رہے۔پھر اسی کے لحاظ سے عنوانات اور مختلف اکائیوں کے لیے ذیلی عنوانات کے تحت ہی سبق کے متعلق تمام تفصیلات فراہم کی جاتی ہیں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

3۔مواد مضمون کی دقّت کے اعتبار سے تشریح وتوضیح:۔ اس کے لیے چارٹ، ماڈل اور توضیحات کا استعمال ضروری ہے۔ چنانچہ اشارات سبق میں زیرتدریس عنوان کی مناسبت سے امدادی سامان تعلیم کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک ہوشیار استاد اس بات کا اندازہ کر لیتا ہے ہے کہ کس سبق کے لیے کس وسم کی توضیحات درکار ہوں گی۔ زبان وادب کے اسباق میں امدادی سامان تعلیم کے استعمال کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ تاہم ثانوی منزل کی ابتدائی جماعتوں میں ان کا ستعمال ہوسکتا ہے۔

4۔اہم نکات کا تعیّن:۔ مشقی اسباق کے دوران عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ استاد سبق بڑھاتے وقت اہم اور غیر اہم باتوں میں تمیز نہیں کر پاتا اور وہ تمام باتیں جو مضمون سے متعلق اُس کے علم میں ہیں، ایک ہی سانس میں اپنے طالب علموں تک منتقل کر دینا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ سے طالب علموں کے ذہن میں الجھن پیدا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا سبق کے اہم نکات کا پیشگی تعین کر لینا چاہئے۔ اس طرح یہ فائدہ ہوگا کہ تختۂ سیاہ پر سبق کا خلاصہ لکھتے وقت کسی قسم کی دقت پیش نہیں آئے گی۔

اُردو منصوبہ سبق کے اقدام

(Steps for Lesson Planing)

ہربارٹی طریقۂ تدریس

اس سے پہلے کہ مُدرس کلاس میں داخل ہوجائے اُس کے لیے لازمی بنتا ہے کہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

وہ موجودہ سبق کا ایک منصوبہ تیار کر لے تا کہ موجودہ دن کی کاروائی میں وہ کامیاب ہو سکے۔ اس سلسلے کی بہت اہمیت جتائی گئی ہے۔ مُدرس چاہے کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اُسے ہر صورت میں روزانہ منصوبہ سبق تیار کرنا پڑتا ہے ورنہ وہ ایک موثر اور کارگر مُدرس ثابت نہیں ہوسکتا۔

درس وتدریس کے سلسلے میں ہر بارٹ کے تدریسی عمل کو بہت سراہا گیا ہے۔ اور درس وتدریس کے عمل میں اکثر ٹریننگ کالجوں میں ہر بارٹی طریقۂ تدریس کو ہی عمل میں لایا جاتا ہے۔ اور اسکولوں میں بھی اس ہی طریقۂ تدریس کو عملایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر بارٹ کا منصوبۂ سبق معلوماتی اسباق کے لیے نہایت موزوں ہے۔ کیوں کہ اس منصوبۂ سبق کا مقصد حُسنِ لطیف اور ذوقِ سلیم کی تربیت بھی ہے۔ ہر بارٹ نے جن تعلیمی اصولوں پر اسباق کی بنیاد رکھی ہے اس کے مطابق حصول علم کے لیے مختلف منزلوں سے گزرنا بہت ضروری ہے۔ ہر بارٹ کے طریقہ تدریس کے مندرجہ ذیل اقدامات ہیں:-

توضیحات:- مُدرس کلاس میں جانے سے پہلے موجودہ سبق کی تدریس سے متعلق جو امدادی سامان اپنے ساتھ لیتا ہے اُسے توضیحات کہتے ہیں۔ یہ امدادی سامان موجودہ سبق کی تدریس کی معاونت کے سلسلے میں کافی اہم ہونا چاہئے۔ طلبہ کو موجودہ سبق کی طرف راغب کرنے اور دِلچسپ بنانے کے لیے توضیحات ایک اہم رول ادا کرتی ہیں۔ مُدرس کو اگر ''تاج محل'' کا سبق پڑھانا مقصود ہو تو توضیحات کے سلسلے میں اس سبق سے متعلق تاج محل کی تصویر، شاہجہان کی تصویر ورمتاز کی تصویر لائے گا کہ طلبہ کو تاج محل کے پس منظر سے واقفیت فراہم کی جائے۔ اور موجودہ سبق کی طرف طلبہ ہمہ تن مصروف

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہوجائیں۔

مقاصدِ عام:۔ مُدرس موجودہ سبق کی تدریس کے حوالے سے چند عام مقاصد کا پیروکار ہوتا ہے۔ اگرچہ ''تاج محل'' کا سبق پڑھانا مقصود ہو تو اس میں عام مقاصد تو یہ ہیں کہ طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہو، زبان و ادب کی طرف اُن کی دِلچسپی راغب کی جائے، اُردو زبان کی چاشنی سے اُنھیں لطف اندوز کیا جائے اور اُنھیں زبان صحیح طور پر بولنے، سمجھنے اور سننے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔

مقاصدِ خاص:۔ موجودہ سبق کی تدریس کے حوالے سے مُدرس کے پاس کچھ خاص مقاصد بھی ہوتے ہیں جو موجودہ سبق کے ساتھ خاص جُڑے ہوتے ہیں۔ اگر ''تاج محل'' کا سبق پڑھانا مقصود ہے تو اس میں خاص مقاصد یہ ہیں کہ طلبہ کو تاج محل کے متعلق تمام جانکاری فراہم کی جائیں۔ طلبہ کے تلفظ کی درستی کی جائے اور تفہیم الفاظ کی جانکاری دی جائے۔ مقاصد خاص، مقاصد عام کے مقابلے میں تھوڑے کم ہوتے ہیں۔ مقاصد عام کا تعین کرنا اُتنا ضروری نہیں جتنا مقاصد خاص کا ہے۔ مقاصد عام کا تعین خو ہوتا ہے۔ جبکہ مقاصد خاص کا تعین کرنا مُدرس کا اوّلین فرض ہے۔

آمادگی:۔ مُدرس طلبہ سے سبق کے اعلان سے پہلے طلبہ کو سبق کی طرف آمدہ کرنے کے لیے چند سوالات پوچھے گا۔ تاکہ اُن کو موجودہ سبق کی طرف راغب کیا جائے۔ آمادگی کا مرحلہ درس و تدریس کے معاملے میں نہایت اہم ہے۔ غرض آمادگی تدریس کی پہلی کڑی ہے اور موثر درس و تدریس کا انحصار بہت حد تک آمادگی پر مبنی ہے۔

بچوں کا ذہن چونکہ بکھرا ہوا ہوتا ہے مُدرس کو سب سے پہلے اُن کے اس بکھرے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ذہن کو موجودہ سبق کی طرف راغب کرنا ہے تا کہ اُس کی کلاس کی کاروائی موثر انداز میں انجام پزیر ہو جائے۔ اس سلسلے میں مُدرس سب سے پہلے طلبہ سے چند دِلچسپ سوالات پوچھتا ہے اور ضمناً اُن سوالات میں موجودہ سبق کا ذکر چھیڑ کر اپنے سبق کا اعلان کر دے۔

اعلانِ سبق :۔ اعلان سبق کا مرحلہ کافی حد تک آمادگی کے مرحلے سے منسلک ہے۔ مُدرس جب آمادگی کے تحت چند سوالات طلبہ سے پوچھتا ہے تو اُن سوالات کے دوران ہی موجودہ سبق کا ذکر آتے ہی اپنے سبق کا اعلان کر دیتا ہے۔ اعلان سبق کی ایک خاصیت ہونی چاہئے کہ جب ہی طلبہ مُدرس سے اعلانِ سبق سنیں تو وہ مُتمنی ہونے چاہئیں کہ آیا آنے والے سبق میں کیا لکھا ہے۔ جلدی سے جلدی اس کی معلومات حاصل کر لیں اور پورے جوش و جذبے کے ساتھ وہ سبق کی تدریس مین مُنہمک ہو جائیں۔

پیش کش :۔ اعلانِ سبق کے بعد مُدرس جس مرحلے پر پہونچتا ہے وہ مرحلہ پیش کش ہے۔ پیش کش درس و تدریس کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔ پیش کش کے معنی نثر کرنے کے ہیں اور نثر کرنے کا مطلب بیان کرنا، واضح کرنا، بتا دینا اور بول دینا ہے۔ بغیر پیش کش کے کسی بھی قسم کا سبق اپنے اختتام پر نہیں پہونچ سکتا۔ اور نہ ہی کسی بھی قسم کی تدریس پیش کش کے بغیر موثر ثابت ہو سکتی ہے۔ اس مرحلے پر مُدرس با آواز بلند اپنی موجودہ سبق کو بچوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس کے تحت درج زیل مراحل طے کرنے لازمی ہیں۔

نمونہ خوانی :۔ اس مرحلے پر مُدرس طلبہ کے سامنے نمونے کے طور پر موجود سبق کو بچوں کے سامنے پیش کرے گا۔ تا کہ طلبہ خاموش رہ کر موجودہ سبق کو ذہن نشین کر لیں۔ اس مرحلے پر مُدرس کو چاہے کہ وہ خوش لحن اور صحیح تلفظ کے ساتھ لفظوں اور جملوں کے حقوق کی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

ادائیگی کرے۔ کیوں کہ طلبہ ہمیشہ ہر عمل میں مُدرس کی نقل اُتارتے ہیں۔ اور یہ وہ مرحلہ ہے جس میں طلبہ خاموش مُدرس کی اس نمونہ خوانی کو بغور سنتے ہیں اور اُسے ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ درس و تدریس کے عمل میں مُدرس کی نمونہ خوانی کا بہت عمل و دخل ہے اور اس کے اثرات بھی بہت دیرپا ہیں۔ مُدرس کی اس خوبی اور خامی کے اثرات بھی دیر تک قائم رہتے ہیں۔

خاموش مطالعہ:۔ بلند نمونہ خوانی کے بعد مُدرس طلبہ سے یہ کہتا ہے کہ وہ خاموشی سے اُس سبق کا مطالع کریں تا کہ طلبہ مُدرس کی اس نمونہ خوانی کی مشق کر سکیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا تلفظ اور لب ولہجہ مُدرس سے مشابہ ہو۔ خاموش مطالع درس و تدریس کے مطالعے میں نہایت اہم ہے۔ یہ طلبہ کے ذہن کو تحریک دیتا ہے اور اس مرحلے پر طلبہ اپنی ذاتی صلاحیتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اپنی ذاتی کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔

انفرادی بُلند خوانی:۔ خاموش مطالعے کے بعد مُدرس بچوں کو ایک ایک کر کے اُن کو بآواز بلند پڑھنے کے لیے کہتا ہے۔ تا کہ مُدرس کو یہ معلوم ہو جائے کہ طلبہ کے ذہن کو کہاں تک رسائی ہوگی۔ اس مرحلے سے گذرتے وقت مُدرس کو کافی محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اگر مُدرس اس مرحلے پر کوتاہی کرتا ہے تو اس کے اثرات بڑے خوفناک ہو سکتے ہیں۔ اس ہی مرحلے پر کی گئی کوتاہی کلاس میں چند بچوں کو موثر تعلیم سے محروم رکھتی ہے۔ مُدرس کو چاہئے کہ تمام بچوں کو ایک ایک کر کے انفرادی طور پر اُن سے بلند آواز میں پڑھنے کے لیے کہے تا کہ تمام طلبہ ایک یکساں معیار کے ساتھ آگے بڑھ سکیں۔

اجتماعی بُلند خوانی:۔ طلبہ تمام یکساں تو نہیں ہوتے بلکہ یہ مُدرس کا فرض بنتا ہے کہ

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تعلیم وتربیت کے لحاظ سے وہ تمام طلبہ کو ایک ڈگر پر لا کر کھڑا کر دے انفرادی بُلند خوانی میں ہوسکتا ہے کہ کچھ طلبہ پڑھنے میں کمزور ہوں۔ لیکن اجتماعی بلند خوانی میں اُنھیں ایک موقع مل جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی غلطیوں کو دُرست کر سکیں۔ مدرس کو اس مرحلے پر بھی کافی احتیاط کرنی چاہئے کہ سبھی بچے ایک ساتھ موجودہ سبق کی اجتماعی طور پر بلند خوانی کریں اور کوئی بھی بچہ اس سے محروم نہ ہو جائے۔

تفہیم الفاظ:۔ اس مرحلے پر مدرس موجودہ سبق میں آئے ہوئے مشکل الفاظ کو تختۂ سیاہ پر لکھ کر ان کے مفاہم اور مطالب بھی لکھے گا۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کیا جائے اور مشکل الفاظ کے معنی اُن کو سمجھا دیئے جائیں۔ اس مرحلے پر مدرس کو چاہے کہ وہ تمام مشکل الفاظ اور اُن کے مفاہم تختۂ سیاہ پر لکھ کر فصاحت کے ساتھ طلبہ کو ذہن نشین کرائے۔ یہ مرحلہ طلبہ کے لیے نہایت ہی اہمیت کے حامل ہے اور موجودہ سبق کی کارکردگی کا دارومدار اس مرحلے پر بہت زیادہ ہے۔

اعادہ:۔ موجودہ سبق کی پیشکش کے سلسلے میں اعادہ کی اہمیت نہایت مسلم ہے۔ اس مرحلے پر مدرس طلبہ سے اُس روز پڑھائے گئے سبق میں سے چند سوالات پوچھے گا تا کہ مدرس اس بات کا تعین کر سکے کہ وہ اس کاروائی میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہے۔ مدرس کی درس وتدریس کے عمل کا اندازہ اعادہ سے ءہوتا ہے۔ مدرس کو فوراً پتہ چلتا ہے کہ اُس کی تدریس کس سمت جا رہی ہے۔ اس لیے مدرس اس مرحلے پر طلبہ سے بعض سوالات پوچھے گا تا کہ وہ تدریس سبق کی کامیابی وناکامی کا اندازہ کر سکے۔

گھر کا کام:۔ اس مرحلے پر مدرس طلبہ کو کہتا ہے کہ اپنی کاپی پر گھر سے چند

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سوالات کا جواب لکھ کر لائے۔ یاد رہے کہ یہ سوالات تحریک ذہنی کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہوں۔

مثلاً اگر موجودہ سبق میں کہیں اخبارات کا لفظ آیا تو مدرس کو چاہے کہ وہ واحد، جمع اور جمع الجمع کی تفصیل کے ساتھ اخبارات کی واقفیت دے دے۔

واحد	جمع	جمع الجمع
خبر	اخبار	اخبارات

جب مدرس طلبہ کو گھر کا کام دے تو اُن سے کہے کہ درج ذیل پانچ الفاظ کا جمع اور جمع الجمع بنا کر لائے۔

1۔امر

2۔ وجہ

3۔رسم

4۔ دوا

5۔ لازم

طریقۂ تعلیم

1۔ طریقۂ تہجی

یہ طریقہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اس کے مطابق سب سے پہلے حروف کا بولنا سکھایا جاتا ہے۔ پھر حروف، اعراب، (زیر، زبر، پیش) کا اثر سمجھا جاتا ہے اس کے بعد

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

حروف کی ترکیب سے جملے بنانا سکھایا جاتا ہے۔ یہ ایک سیدھا مگر غیر قدرتی طریقہ ہے اور فرسودہ طریقہ ہے اس سے حروف کی آوازیں یعنی تلفظ درست نہیں ہوتا ہے۔ اس طریقہ میں پہلے حروف کے نام سکھائے جاتے ہیں اور ان کی شکلوں کی شناخت کرائی جاتی ہے۔

اس طریقہ کی کچھ اہم باتیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حروف پر اعراب لگا کر ان کی آواز سکھائی جاتی ہے۔

۲۔ حروف کی ترکیب اور اعراب سے ہجے سکھائے جاتے ہیں۔

۳۔ ہجے کے ذریعے پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔

آسانیاں:۔ طریقہ تہجی میں آسانیاں حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ حروف کی شکلیں بار بار دیکھنے سے ذہن میں جم جاتی ہیں۔

ب۔ حروف کی ترکیب اور اعراب سے ہجے سکھائے جاتے ہیں۔

ج۔ ہجے کے ذریعے پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔

د۔ طریقہ تہجی سے لکھنا۔ پڑھنا اور ہجے کرنا ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔

ر۔ حروف کی مختصر شکلیں جو ترکیبی حالت میں ہوتی ہیں جلد معلوم ہو جاتی ہیں۔

س۔ مدرس کو محنت کم کرن پڑتی ہے۔

ل۔ صحیح املا نویسی کی عادت پیدا ہوتی ہے۔

ن۔ توضیحاتی سامان کی ضرورت نہیں پڑتی۔

نقائص:۔ اس طریقہ کے مندرجہ ذیل نقائص ہیں:۔

ا۔ طلبہ کی سابقہ واقفیت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا جب کہ تعلیم کا اصول

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

ہے معلوم سے نامعلوم کی طرف چلنا ہے۔

۲۔طریقہ تہجی طلبہ کے فطری رجحانات اور طبعی خواہش کے موافق نہیں۔اس لئے طلبہ سبق میں دِل چسپی نہیں لیتے اور اسے ایک محنت کا کام سمجھ کر مدرس کے ڈر سے کرتے ہیں۔

۳۔حرف تہجی، اعراب اور ہجے سکھانے تک طلبہ کو صبر وتحمل پر مجبو کیا جاتا ہے۔

۴۔ہجے سکھانے میں حروف کی ترکیبیں اکثر مہمل ہوتی ہیں۔

۵۔طریقہ تہجی سے پڑھنے میں طلبہ بہت جلد تھک جاتے ہیں اور پڑھنا ان کیلئے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

۶۔اس طریقہ سے طلبہ صرف زبان رٹ لگاتے ہیں اور دِل چسپی کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔

۷۔ پڑھنے میں روانی دیر سے پیدا ہوتی ہے۔

2۔طریقہ الصّوت یا آوازی طریقہ

طریقۃ الصوت پراکرت، ہندی مرہٹی، گجراتی زبانوں کے رسم الخاط کے طریقہ پر مبنی ہے۔اس میں پہلے آوازوں کے مقررہ نشانات دکھائے اور بڑھائے جاتے ہیں۔مثلاً (ق+ د+ م= قدم ڈ+ا+ک=ڈاک پ+و+ج+ا =پوجا) لفظ کے بعد جملے پڑھنا سکھاتے ہیں۔

خوبیاں:۔طریقۃ الصوت یا آوازی طریقہ کی خوبیاں حسب ذیل ہیں:۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۱۔ یہ طریقہ فطرت کے مطابق ہے۔ اس لئے کہ بچہ شیر خواری کے زمانے میں پہلے مفرد آواز نکالتا ہے۔

۲۔ کسی لفظ کی مخلوط آواز کے اجزا علاحدہ ہونے سے تلفظ میں آسانی ہوتی ہے۔

۳۔ حروف کے نام حروف کی آواز ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ ابتدا ہی میں حروف کے فوائد معلوم ہو جاتے ہیں۔

۵۔ طریقہ تہجی کے مقابلے دماغ پر کم زور پڑتا ہے۔

۶۔ توضیحاتی سامان کی ضرورت نہیں پڑتی۔

نقائص:۔ طریقۃ الصوت کے نقائص حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ کسی لفظ کا تلفظ پر ایک نظر نہیں ہوتا۔ مثلاً اکبر ابتدا میں اک ب ر اصولاً پڑھا جا سکتا ہے۔ اور طریق الصوت کے ذریعے سے سکھا ہوا طالب علم اس طرح پڑھتا بھی ہے۔ بعد میں جب وہ یہ سمجھتا ہے کہ بول چال میں اس طرح نہیں ہے۔

۲۔ بعض الفاظ کے صحیح تلفظ کرنے میں غلطی ہوتی ہے۔ مثلاً خواہش درخواست میں واوا کی آواز ظاہر ہو جاتی ہے۔

۳۔ بعض حروف دو ستے حروف کی آواز دیتے ہیں۔ جیسے علی، موسیٰ میں ی کی آواز کچھ اور ہی ہے۔

3۔ طریقہ دیکھو اور بولو

اس طریقہ میں پہلے ایک کہانی چند جملوں کی لی جاتی ہے پھر ایک ایک جملہ لیا جاتا ہے۔ پھر لفظ لیا جاتا ہے۔ لفظ سے حروف لیے جاتے ہیں اور آخر میں حرفوں کے جوڑنے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سے لفظ بنانا سکھایا جاتا ہے۔ مثلاً رام نے شام کو کیا مشورہ دیا۔ رام ر + ا + م، شام ش + ا + م۔ مدرس کچھ حروف بوڈھ پر لکھ دے وہ الفاظ ذرا موٹے موٹے ہونے چاہیں۔ مدرس پہلے خود کہہ کر پھر بار بار بچوں سے وہ الفاظ کہلوائے۔ اس سے یہ الفاظ بچوں کے ذہن میں اس طرح بیٹھ جاتے ہیں کہ جو کبھی بھول نہیں سکتے۔ جتنے الفاظ مدرس لکھ کر طلبہ کو بتائے گا۔ اتنے ہی الفاظ بچے سکھیں گے۔ لیکن مدرس کو چاہیے کہ وہ ایک ہی بار بہت سے الفاظ سکھانے کی کوشش نہ کرے کیوں کہ اس طرح سے طلبہ کو وہ سب الفاظ پوری طرح ذہن نشین نہ ہوسکیں گے۔

خوبیاں:۔ طریقہ دیکھو اور بولو کی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ اس طریقہ میں کل سے جز کی طرف بڑھنے کا اصول کارفرما ہے۔

۲۔ یہ قدرتی طریقہ ہے۔

۳۔ فقروں، اشیاء اور تصاویر کے استعمال کی بنا پر یہ طریقہ طلبہ کو بے زار نہیں ہونے دیتا۔

۴۔ طریقہ دیکھو بولو میں روانی جلد پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ اس طریقہ میں نہ ہجوں کی دقّت ہوتی ہے اور نہ حروف کے ناموں کی۔

۶۔ طلبہ میں خود اعتماد پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا ہے۔ کیوں کہ بہت سے الفاظ کی شکلیں سیکھنا پڑتی ہیں۔

۸۔ طلبہ لفظ دیکھتے ہی شناخت کر کے پڑھ دیتے ہیں۔

خامیاں:۔ طریقہ دیکھو اور بولو میں مندرجہ ذیل خامیاں ہیں:۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۱۔موزوں اور مفید الفاظ تلاش کرنے میں مدرس کو کافی محنت کرنی پڑتی ہے۔

۲۔تصاویر حروف کے کارڈ اور جملوں کے چارٹ وغیرہ مدرس کو اکھٹے کرنے پڑتے ہیں یعنی کہ توضیحاتی سامان کی کافی ضرورت پڑتی ہے۔

۳۔الفاظ کی تحلیل کر کے حروف کو الگ کرنا اور طلبہ سے ان کی پہچان کرانا مدرس اور طلبہ دونوں کے لئے کافی حد تک ذہنی کوفت کا باعث ہوتا ہے۔

۴۔پڑھے ہوالفاظ کی مدد سے نئے الفاظ پہچانے نہیں جاتے۔

۵۔ہجے کرنا بہت دنوں میں آتا ہے۔

۶۔اسماء کو تو سکھانا آسان ہے لیکن حروف اور افعال کی پہچان کروانے میں دقّت پیش آتی ہے اور پھر مدرس کو طریق الصوت کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے۔

۷۔حروف کی متبدِل شکلیں شناخت کرنے کا بلکہ بہت دنوں میں پیدا ہوتا ہے۔

۸۔بکثرت الفاظ کی شکلیں محفوظ رکھنے میں دماغ پر بہت زور پڑتا ہے۔

مدرس کا اولین فرض ہے کہ وہ لفظی تحلیل کے ساتھ حروف کی آواز اور ان کے نام بتلائے۔اس طریقہ میں ہجے کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔

4۔ابجدی طریقہ

اس طریقہ میں حروف تہجی حفظ انوک زبان کروائے جاتے ہیں اور ان کی صورتوں کی شناخت کرادی جاتی ہے۔پھر منفرد الفاظ کو جوڑ کر بتلایا جاتا ہے بعض مشرقی ماہرین تعلیم اس کو مفید اور مکمل طریقہ خیال کرتے ہیں۔اس طریقہ میں ابتدا میں دوحرفی۔ پھر سہ حرفی اور چار حرفی مرکب الفاظ کی تعلیم دی جاتی ہے۔جس سے مشکلات میں بتدریج

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اضافہ ہوتا ہے کثرت مشق طلبہ میں عبارت شناسی تو پیدا کرتی ہے۔ مگر طلبہ کا سبق رٹنے کا مسلسل عمل ان کی بیزاری کا باعث ہو جاتا ہے اور یہ بے زاری بڑھتی رہتی ہے۔

حروف کے نام سے طلبہ واقف ہونے کے بعد اگر حروف کی آواز پوری طرح ذہن نشین نہیں ہوتی تو الفاظ بتانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً آ + خ + ر۔ آخر کہنے کے بجائے آخر بھی کہہ سکتے ہیں جب کہ آخر کے معنی دوسرا اور آخر کے معنی انجام کار ہوتا ہے۔ اگر طلبہ حروف کے ہجے کے عادی ہو جائیں اور کتابوں میں اعراب (اِ) نہ دیئے جائیں۔ تو تلفظ پوری طرح اس کے ذہن نشین نہیں ہوگا اس لئے یہ طریقہ تعلیم زیادہ کارآمد نہیں ہوسکتا۔

5۔ جامعہ کا طریقہ

اس طریقہ میں شروع میں گیت یاد کرا کے اس کے ذریعے حروف کی پہچان کرانا ان حروفوں سے لفظ بنوانا اور ایسے جملے پڑھوانا جن کا تعلق کسی کام یا کرافٹ سے ہو اور حروف علت (ا۔ و۔ ی) کو خاص ڈھنگ سے سکھانے کا نام ہی ''جامعہ طریقہ'' ہے۔

اس طریقہ تعلیم کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب کہ اُردو صوتی زبان کی خصوصیات سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ صوتی زبان سے مراد ہے کہ جو آواز حرفوں کی ہے وہی لفظوں میں باقی رہنی چاہئے۔ مثلاً ک + ر = کر؛ س + ب = سب وغیرہ۔ اس سے طلبہ کو حروفوں سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کو چند حرف سمجھنے میں سہولیت ہوتی ہے۔ اس طریقہ سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کو چند حرف سکھائے جاتے ہیں۔ اور ان حرف سے لفظ بنائے جاتے ہیں مثلاً ل، ن، ب، ٹ، وغیرہ حروف سکھانے سے کئی بامعنی لفظ بنتے ہیں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

جامعہ طریقہ میں اگر چہ کام کی ابتدا گیت سے کی گئی ہے لیکن گیت کے مصرعے اور لفظوں کی شناخت کرانے کے بجائے اس گیت کے لفظوں سے حرف اخذ کرا کے صوتی طریقے سے رفتہ رفتہ لفظ اور جملے بنائے جاتے ہیں۔ گیت کے لفظوں کے ذریعے حرف اور حروف علت (ا +ای. او) م اعراب گیت کو پڑھانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ زبانی یاد کرا دینا ہی کافی ہوتا ہے۔ مثلاً خوب بڑا ہو جاؤں گا سکھامی کو پہنچاؤں گا۔

گیت کی مدد سے تمام اعراب اور حروف علت سکھائے جاتے ہیں۔ مثلاً (یا مصرعہ) خ +و+ب=خوب) خ خرگوش۔ضم۔خوراک۔خوش۔ک +و= کو) =ب=بو بطن ۔ بد۔ بخار۔ک ۔کرتب۔کثرت ۔کب ۔کام

مدرس ایک بار خود گیت گائے، دوسری بار ایک ایک مصرعہ مدرس کے ساتھ طلبہ دہرائیں۔ تیسری بار یہ گیت ایک چارٹ پر لکھا ہوا دکھایا جائے۔ اس سے مدرس طلبہ سے بار بار گیت دہرائے اور آخر میں ان کو اس گیت سے حروف بنانا اور پھر جوڑ سکھائے۔

6۔جملاتی طریقہ

یہ طریقہ دراصل دیکھو بولو ہی کی ایک دوسری مشکل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دیکھو بولو طریقے میں الفاظ پڑھائے جاتے ہیں لیکن جملاتی طریقہ میں پورا جملہ پڑھایا جاتا ہے۔ پہلے چھوٹے چھوٹے جملے لئے جاتے ہیں۔ اور اس طریقہ میں آسان سے مشکل کی طرف بڑھا جاتا ہے۔ مدرس کو کافی محنت کرنا پڑتی ہے۔ جملے طلبہ کے معیار نفسیاتی دِل چسپیوں کو نظر میں رکھ کر تیار کرنے پڑتے ہیں۔

اس طریقۂ تعلیم کی تائید میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ گفتگو کی اکائی ایک جملہ ہے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

لفظ یا حرف نہیں اور چھ سال کے بچے کو جملے ہی سے دِل چسپی کا باعث ہوتا ہے۔ جملے ایسے ہونے چاہیں جو ماحول سماجی وطبقہ کی کہانیوں اور تصویروں سے تعلق رکھتے ہوں۔ کیونکہ بچے انہیں چیزوں میں دِل چسپی لیتے ہیں۔ جو ان کے دائرہ واقفیت میں ہوتی ہیں اس طریقہ کے تحت مدرس تصویر۔ فقروں، اشیاء، یا ماحول کیفیت کی طرف توجہ دِلا کر ان سے گفتگو کرتا ہے اور اپنے مطلب کے جملے اخذ کر کے تختہ سیاہ پر لکھتا ہے۔ چارٹس کے ذریعے بھی ایسے جملے اخذ کئے جاتے ہیں۔ محض سلسلہ گفتگو سے ربط دیگر ان سے متعارف بنایا جاتا ہے۔ جملاتی طریقہ سے نہ صرف الفاظ کا تلفظ درست بنتا ہے بلکہ پورے جملے کی ادائیگی میں بھی اس طریقے سے طلبہ کو مدد مِل سکتی ہے۔

خوبیاں:۔ ۱۔ یہ قدرتی طریقہ تعلیمہ ہے۔

۲۔ اس طریقۂ تعلیم سے بچوں کا تلفظ شروع سے درست ہو جاتا ہے نیز جملے کی مجموعی اور اس کی ادائیگی کے تعلق سے اس کا شعور پختہ بنتا ہے۔

۳۔ جملے فہم معنی کے ساتھ پڑھنے سے بچوں کی دِل چسپی بنتی رہتی ہے۔

۴۔ بچے بہت سے جملوں کو یکساں صورت کے الفاظ کو منطق بنیاد پر پہچاننے لگتے ہیں۔ اور اس اصول پر زبان دانی کی راہ پر آگے بڑھتے ہیں۔

۵۔ بچوں میں ذخیرہ الفاظ بڑھتا ہے وہ بامعنی اور لازم الفاظ سے اچھی طرح واقف ہو جاتے ہیں۔

۶۔ بچوں میں اظہار خیال کے تعلق سے روانی اور سلاست پیدا ہو جاتی ہے۔

نقائص:۔ ۱۔ اس طریقہ تعلیم سے توضیحاتی سامان کی ضرورت غالب ہو جاتی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے۔

۲۔ مدرس کا بیشتر وقت ایسے سامان کی فراہمی اور اسے ترتیب میں صرف ہوتا ہے۔

۳۔ بچے بہت دیر کے بعد حروف کو پہچاننے لگتے ہیں۔ اور حروف ہی علم زبان کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اس طریقہ سے نئے الفاظ خود انہیں پڑھ سکتے جب تک کہ انہیں سمجھایا نہ جائے بچے انہیں پہچان نہیں سکتے۔

7۔ قصّہ گوئی کا طریقہ

اس طریقہ میں طلبہ کا مرکز نظر صرف جملہ نہیں ہوتا بلکہ متعدد جملے ہوتے ہیں جن کا ارتباط قصّہ کو جنم دیتا ہے۔ جس سے طلبا خاص دِل چسپی رکھتے ہیں۔ طلبہ کی نفسیاتی حالات سے فائدہ اُٹھا کر قصے کہانیاں کے شوق کو اُبھارتے ہوئے تعلیم دینے کا یہ طریقہ فطری سمجھا جاتا ہے۔ مدرس کو چاہئے کہ وہ صرف قصہ خوانی زبان نہ کرائے بلکہ تختۂ سیاہ پر تصویری کارڈوں پر قصہ لکھا ہونا چاہئے۔

مدرس پڑھتا رہے اور ایک ایک لفظ شناخت کرواتے رہیں کئی بار مدرس کے پڑھنے اور طلبہ سے پڑھوانے کے بعد ہر لفظ بچے کو ذہین نشیں ہو جاتا ہے جملوں کو تحلیل کر کے الفاظ اور حروف کی وضاحت کی جاتی ہے۔

امریکہ کی مس اہٹی وینس نے اس طریقہ کو سب سے بہتر قرار دیا ہے مگر میرے خیال میں یہ طریقہ بذات خود مکمل طریقہ تعلیم نہیں ہے جب تک کہ دوسرے طریقوں کے اجزا شامل کئے جائیں ایک قابل مدرس طلبہ کے ماحول ان کی افتاد طبع، ذہنی حالت اور

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

زجحان کا خیال رکھتے ہوئے اپنے لئے مناسب راہ نکال لیتے ہیں اور دوسرے مضامین سے رابطہ قائم رکھتے ہیں اس مین اس قدر برجستگی ہونی چاہئے کہ طلبہ کا ذہن کسی واضح تبدیلی کو محسوس نہ کریں۔

پرائمری جماعتوں میں

پرائمری کے نصاب میں جو نظمیں شامل کی جائیں ان میں ان مقاصد کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ نظمیں ٹھوس اایشا (جو طلبہ اکثر دیکھتے اور استعمال کرتے ہوں) اور ٹھوس حقائق سے متعلق ہوں۔

ب۔ مواد سماجی وطبعی ماحول سے متعلق ہو۔

ج۔ نظمیں رنگ وآواز کے لحاظ سے دِل کش ہوں۔

د۔ زبان سہل ہو۔

ر۔ جذباتی تسکین دینے والی ہوں۔

ک۔ مسرّت سے بصیرت کی طرف لے جانی والی ہوں۔

مڈل جماعتوں میں

ا۔ طلبہ کے نصاب میں ایسی نظمیں شامل کی جائیں جو سچائی ہمدردی اخلاق وغیرہ کو اُبھارتی ہوں۔

ب۔ جذبات کو سہارا دینے والی نظمیں حب الوطنی۔ محنت۔ دوستی وغیرہ۔

ج۔ تاریخی واقعات پر مبنی ہوں۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Kalsoom Memorial College Of Education Bantalab Jammu

د۔تخیل کی اُڑان کا درجہ بلند ہو۔

ر۔حسن بیان کا لطف ہو

ک۔جن سے طلبہ کی زبان پر قدرت بڑھے۔

ہائی جماعتوں میں

ا۔غزل سے لگاؤ پیدا ہوا۔

ب۔اصناف اُردو یعنی مثنوی۔مرثیہ۔رباعی وغیرہ نصاب شامل ہوں۔

ج۔نظمیں اعلا انسانی قدروں کے ذکر سے محو ہوں۔

د۔زندگی پر تنقیدی رائے پیش کرتی ہوں۔

ر۔شعور زندگی درس دینے والی ہوں۔

اُردو تلفّظ کی تدریس

تدریس زبان کا ایک اہم پہلو تلفّظ بھی ہے۔تلفظ کے بغیر زبان کا سیکھنا سکھانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔اس لیے کسی بھی زبان کو سکھاتے وقت اس پہلو پر توجہ دینا نہایت ضروری ہے۔تلفظ کی تدریس میں علم صوتیات کافی حد تک معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

علم صوتیات اس علم کو کہتے ہیں جو آوازوں کے مخرج اور ان کی ادائیگی سے بحث کرتا ہے۔یعنی علم صوتیات یہ بتاتا ہے کہ جو آوازیں ہم بولتے ہیں وہ کس طرح کی ہیں اور کہاں سے نکلتی ہیں۔اس کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ صوتیات وہ علم ہے جو کلام میں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

استعمال ہونے والی آوازوں کا سائنسی نقطہ نظر سے مطالعہ کرتا ہے۔اور ساتھ ہی سائنسی نقطہ نظر سے اُن آوازوں کا تجربہ،توضیح اور درجہ بندی بھی کرتا ہے۔

صوتیات کی تین شاخیں ہیں:-

1۔ تلفظی صوتیات

2۔ سمعیاتی صوتیات

3۔ سمعی صوتیات

1۔ تلفظی صوتیات:۔ صوتیات کی یہ شاخ انسانی اعضائے تکلّم سے پیدا ہونے والی مختلف آوازوں کا مطالعہ کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ یہ آوازیں کس طرح سے اور کہاں سے نکلتی ہیں۔

2۔ سمعیاتی صوتیات:۔ صوتیات کی یہ شاخ یہ واضح کرتی ہے کہ کلام میں استعمال ہونے والی آوازیں صوتی لہروں کی شکل میں کس طرح متکلم سے مخاطب تک پہنچتی ہیں۔

3۔ سمعی صوتیات:۔ سمعی صوتیات میں اس امر کا مطالعہ کیا جاتا ہے کہ مخاطب اپنے اعضائے سماع کے ذریعے کس طرح آوازوں کو موصول کرتا ہے۔اور اُن سے مستفید ہوتا ہے۔تدریس تلفظ کے نقطۂ نظر سے مذکورہ بالا تینوں شاخوں میں تلفظی صوتیات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔اس کی پہلی منزل اعضائے تکلم ہے۔

اعضائے تکلّم

اعضائے تکلّم سے مراد وہ اعضاء ہیں جو آوازوں کی ادائیگی میں معاون ثابت

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Chandni Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہوتے ہیں۔ درج ذیل تصویر میں اعضائے تکلم کو دکھایا گیا ہے:-

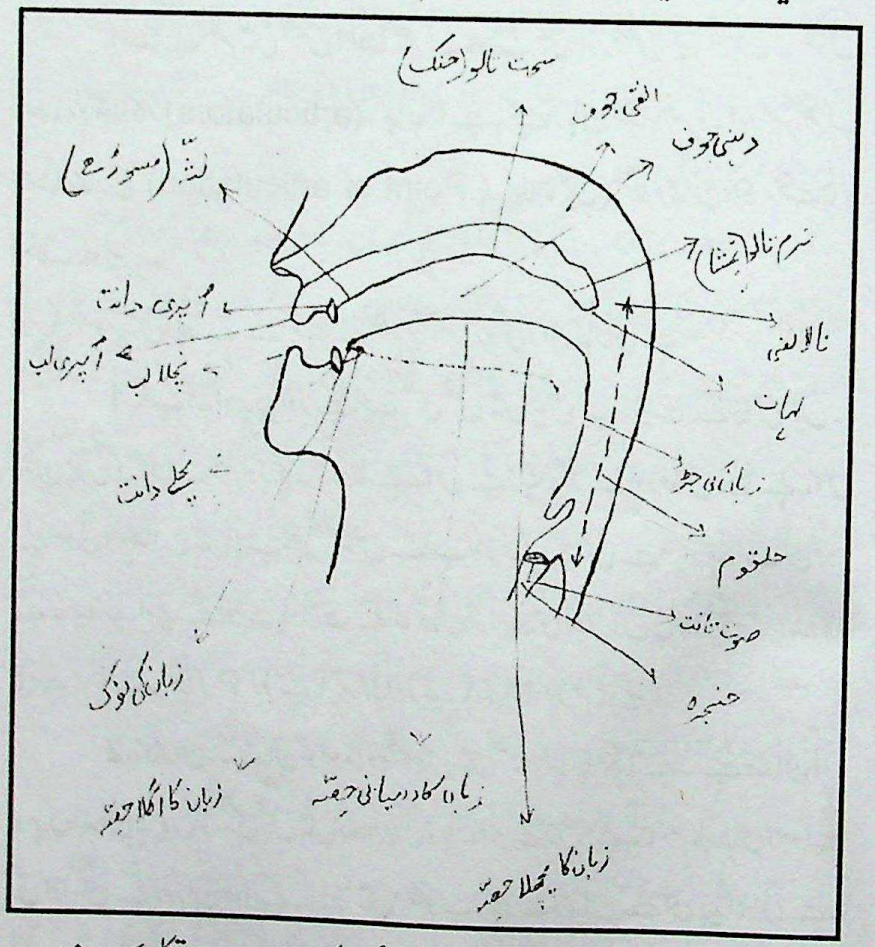

انسانی اعضائے تکلم کا اوّلین اور بنیادی عمل اکل وشرب ہے۔ تکلم ایک ثانوی اور اتفاقی عمل ہے۔ جو اُس وقت سرزد ہوتا ہے جب پھیپھڑوں کے اندر اور باہر آنے جانے والی ہوا کی روانی میں حنجرہ، حلق اور دہنی جوف کے کسی نقطے پر رُکاوٹ واقع ہو۔ یعنی تلفظ کار مخارج سے چھٹ کر یا ان کے قریب پہنچ کر راستے کو مکمل طور پر بند کر دیتے ہیں۔ جس سے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مختلف آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔

اعضائے تکلم میں بعض اعضا متحرک ہوتے ہیں اور بعض غیر متحرک۔ متحرک اعضاء کو تلفظ کار (articulators) کہا جاتا ہے۔ جیسے زبان غشا وغیرہ۔ اور غیر متحرک اعضاء مخارج (Point of articulation) کہلاتا ہیں۔ مثلاً دندان، لثہ، سخت تالو (حنک) وغیرہ۔

اوپر کی تصویر میں دکھائے گئے اعضائے تکلم پر مختصراً روشنی ڈالی جارہی ہے:۔

1۔لب:۔ اوپری اور نچلے لب تکلمی عمل میں یوں لب اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن چوں کہ نچلا لب نرم اور لچکدار ہوتا ہے۔ اس لیے زیادہ متحرک اور فعال ہوتا ہے۔ اس لیے صوتی اصطلاح میں جب بغیر تخصیص کے لب کا ذکر آئے اس سے مراد نچلا لب ہی ہوتا ہے۔ نچلا لب اوپر کے ہونٹ یا دانت کے ساتھ مل کر بہت سی آوازوں کی ادائیگی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً / P /(پ) ، /B/(ب)،/ M /(م) وغیرہ

2۔دندان:۔ دندان کو عموماً دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ نچلے دندان اور اوپری دندان۔ یوں تو تکلمی عمل میں دندان کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ تاہم بہت سی اصوات کی ادائیگی کے دوران ہوا کے راستے میں مطلوب رُکاوٹ دندان سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ کچھ اصوات مثلاً۔/ F /(ف)، / V /(و) اوپری دندان نچلے لب کی مدد سے ادا کی جاتی ہیں۔

3۔زبان:۔ تمام تلفظ کار اعضاء میں زبان سب سے زیادہ متحرک عضو ہے جسے چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) نوک (۲) اگلا حصہ (۳) درمیانی حصہ (۴) پچھلا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

حصہ۔[نوک] زبان کا وہ حصہ ہے جو سکون کی حالت میں نچلے مسوڑھے سے ملا رہتا ہے۔ 'اگلا' وہ حصہ ہے جو تالو کے اگلے حصے کے مقابل رہتا ہے۔ زبان کا درمیانی حصہ وہ ہے جو سخت تالو کے مقابل رہتا ہے پچھلا حصہ وہ ہے جو غشا یا یا نرم تالو کے مقابل رہتا ہے۔ زبان کی جڑ حلقوم کی اگلی دیوار ہے۔

تلفظ کے اعتبار سے تمام اعضائے تکلم میں زبان سب سے زیادہ اہم عضو ہے۔ بے شمار مصمتوں کی ادائیگی میں زبان کا ایک اہم رول ہے۔ مگر اس کا سب سے اہم رول مصوتوں کے تلفظ میں ہے۔ زبان کے مختلف حصے ذہنی جوف میں مختلف اونچائی تک پہنچ کر ہمہ قسم کے مصوتے پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا مصوتوں کی درجی بندی بھی زبان کے مختلف حصوں پر مبنی ہوتی ہے۔

4۔ مسوڑھے :۔ صوتی اصطلاح میں مسوڑھے سے مراد وہ حصہ ہے جو سامنے والے اوپری دندان کے عین پیچھے ہے۔ اسے لثہ بھی کہتے ہیں۔ یہ سقفِ ذہن کا وہ حصہ ہے جو ذرا سا ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ لثہ کی مدد سے بھی بہت سی اصوات ادا کی جاتی ہیں۔

مثلاً۔ / T /(ت،ط) / D / (د،ڈ) / L /(ل) وغیرہ۔

5۔ سخت تالو :۔ مسوڑھوں کے پیچھے حتک (سخت تالو) ہے۔ یہ دیگر بافتوں سے ڈھکا ہوا ہڈیوں کا ڈھانچا ہے اور غیر متحرک ہے۔ اس کی مدد سے / c / (چ) اور / j / (ج) یا ان کی ہکاری ہم شکل اصوات ادا کی جاتی ہیں۔ مثلاً (چھ) (جھ) وغیرہ وغیرہ۔

6۔ غشا :۔ یہ حصہ سخت تالو کے پیچھے واقع ہوتا ہے۔ اس کو نرم تالو بھی کہا جاتا ہے۔ یہ عضلاتی حصی اور متحرک ہے۔ نالا نفی راستے کو بند کرنے کیلئے اسے اوپر اٹھایا جا سکتا

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے۔غشا کی مدد سے بہت سی اصوات مثلاً /k/(ک)، /g/(گ)، /x/(خ)وغیرہ آوازیں نکالی جاتی ہیں۔

7۔ لہات:۔یہ نرم تالو کے آخری کنارے سے لٹکا ہوا نرم حصہ ہے۔ذہنی جوف کے اندرونی سرے پر شیشے کی مدد سے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔اس کی مدد سے /q/(ق)اور اس سے مشابہت رکھنے والی کچھ اور اصوات ادا کی جاتی ہیں۔

8۔حلقوم:۔حلقوم بنیادی طور پر گلے میں وہ جوف ہے جس میں اوپر کی طرف ذہنی جوف اور نالانفی راستے کا نچلا سرا کھلتا ہے۔کچھ اصوات اس جوف میں پیدا ہوتی ہیں جنھیں حلقومی اصوات کہا جاتا ہے۔مثلاً /g/(غ جو عربی میں موجود ہے)۔

9۔ حنجرہ:۔یہ سانس کی نالی کے اوپر ایک لچکدار بندھنوں کی ساخت ہے۔حنجرہ کے اندر صوت تانت ہوتے ہیں۔

10۔صوت تانت:۔حنجرہ کے اندر لچکدار بافتوں کے دو بندھن ہوتے ہیں۔ انھیں بندھنوں کو صوت تانت کہتے ہیں۔یہ ہوائی گزرگاہ کے دونوں طرف واقع ہوتے ہیں۔

صوت تانتوں کو کھولا جا سکتا ہے۔کہ ان کے درمیان راستہ اتنا چوڑا ہو جائے کہ ہوا آسانی سے اندر آسکے اور باہر جا سکے یا ان کو مکمل یا جزوی طور پر بند کیا جا سکتا ہے۔صوت تانتوں کو قریب لا کر گزاری جائے تو ان میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔اس طرح وہ اصوات جو صوت تانتوں کے ارتعاش کے ساتھ نکلتی ہیں۔مسموع (Voiced) کہلاتی ہیں۔مثلاً /b/(ب) /d/ (د)، / g /(گ)وغیرہ۔وہ اصوات جن کے نکالنے میں صوت

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تانتوں کا ارتعاش نہیں ہوتا وہ غیر مسموع (Voiceless) کہلاتی ہیں۔ مثلاً /k/ (ک)، /t/ (ت، ط) / p / (پ) وغیرہ۔

11۔ذہنی جوف:۔ ذہن کے اندر جو جوف پائی جاتی ہے اس کو صوتیات میں ذہنی جوف کہا جاتا ہے۔ تکلمی عمل میں ہوا جب پھیپھڑوں سے باہر جاتی ہے تو ذہنی جوف سے گزرتی ہے۔

12۔نالانفی راستہ:۔ نالانفی راستے کا نچلا سرا حلقوم میں کھلا رہتا ہے اور اوپری سرا انفی جوف میں۔ غشا کو اوپر اُٹھا کر نالانفی راستے کو بند کیا جا سکتا ہے۔ غشا عام حالت میں نیچے ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے نالانفی راستہ کھلا رہتا ہے اور ہمارا سانس چلتا رہتا ہے۔

13۔انفی جوف:۔ ناک کے اندرونی حصے میں جوف پائی جاتی ہے۔ وہ انفی جوف کہلاتی ہے۔ انفی جوف کا اگلا سرا انفی سوراخوں کے ذریعے باہر کھلتا ہت جب کہ اس کا پچھلا سرا نالانفی راستے کے ذریعے حلقوم میں کھلتا ہے۔ سانس لینے میں ہوا چاہے اندر پھیپھڑوں میں آئے یا پھیپھڑوں سے باہر جائے انفی جوف سے گذرتی ہے۔

اُردو اصوات کی گروہ بندی

تکلمی عمل میں پھیپھڑوں سے ہوا باہر نکلتی ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض آوازوں کی ادائیگی میں ہوا بغیر رُکاوٹ کے راستے سے باہر نکلتی جاتی ہے۔ اور بعض آوازوں کی ادائیگی میں ہوا کے راستے میں کہیں نہ کہیں رُکاوٹ واقع ہوتی ہے۔

اسی بنیاد پر اُردو اصوات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

1۔مصوتے (Vowels):۔ وہ اصوات ہیں جن کی ادائیگی میں پھیپھڑوں

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سے خارج ہونے والی ہوا بغیر کسی رُکاوٹ کے منہ کے راستے باہر نکلتی ہے۔ مثلاً /a/ (آ)، /I/ (اِ)، /u/ (اوَ) وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے لب ہماری زبان کو جنبش نہ ہو اور سیدھے حلق سے بولے جانے والے الفاظ کو مصوتے (Vowels) کہتے ہیں۔

2۔ مصمتے (Consonants):۔ وہ اصوات ہیں جن کے بولنے میں پھیپھڑوں سے خارج ہونے والی ہوا حلق حلقوم یا منہ کے راستے میں کہیں نہ کہیں؛ پوری یا جزوی طور پر رُک کر باہر نکلتی ہے۔ مثلاً /P/ (پ)، /b/ (ب)، /d/ (د)/ L/ (ل) /K/ (ک) وغیرہ۔

اُردو مصوتے

مصوتے کی تعریف مندرجہ زیل بالا سطور میں کی گئی ہے۔ یعنی مصوتے وہ ہیں جن کی ادائیگی میں ہوا بغیر رُکاوٹ کے منہ کے راستے باہر نکلتی ہو۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ مصوتوں کے تلفظ میں عام طور پر صوت تانت ارتعاش کرتے ہیں۔ لہٰذا تمام مصوتے مسموع ہوتے ہیں۔

اُردو میں کل 10 مصوتے ہیں جنھیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

1۔ خالص مصوتے 2۔ دوہرے مصوتے۔

1۔ خالص مصوتے:۔ خالص مصوتے وہ ہیں جن کی ادائیگی میں زبان کی تلفظی حالت میں خاطر خواہ تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ مثلاً۔ /a/ (آ) /I/ (اِ) ، /e/ (اے) وغیرہ۔ (اُردو میں کل ۸ خالص مصوتے ہیں۔ I i e e a o U u)

خالص مصوتوں کی درجہ بندی:۔ اعضائے تکلم کے ذیل میں یہ بات واضح کی گئی

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے کہ مصوتوں کے نکالنے میں زبان کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ کسی بھی مصوتے کی ادائیگی میں زبان ذہنی جوف میں اونچی اُٹھتی ہے۔ اور زبان کا کوئی نہ کوئی حصہ عمل کرتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کچھ مصوتوں کی ادائیگی میں ہونٹوں کی شکل گول ہو جاتی ہے۔ اور کچھ کے بولنے میں ہونٹ حسبِ معمول رہتے ہیں۔ لہٰذا خالص مصوتوں کی درجہ بندی میں انھیں باتوں کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ یعنی۔۔۔

۱۔ ذہنی جوف میں زبان کی اونچائی۔

۲۔ زبان کا حصہ جہاں سے مصوتہ برآمد ہوتا ہے۔

۳۔ ہونٹوں کی شکل۔

ذیل میں ان بنیادوں کے مطابق خالص مصوتوں کی درجہ بندی مصوتی مستطیل پر پیش کی گئی ہے اور ان پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے:۔

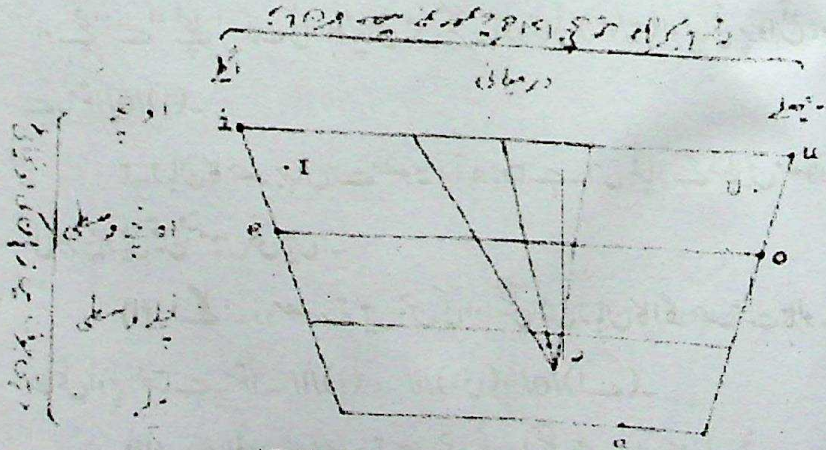

(خالص مصوتوں کی درجہ بندی مصوتی مستطیل پر)

۱۔ **ذہنی جوف میں زبان کی اونچائی:۔** اس بنیاد کے مطابق خالص مصوتوں کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:۔

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(i)۔اونچے:۔اونچے وہ مصوتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان دہنی جوف میں زبان زیادہ ترین اونچائی تک جاتی ہے۔مثلاً / i /(ای)، / I /(اِ) ، / U /(اُ)، /u/ (اوٗ)۔

(ii)۔نچلے:۔وہ مصوتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان دہنی جوف میں کم ترین اونچائی پر رہتی ہے۔مثلاً /a/(آ)۔

(iii)۔اونچے وسطی: وہ مصوتے ہیں جن کے بولنے میں زبان دہنی جوف میں ''اونچے'' سے ''نچلے'' تک کی اونچائی میں تقریباً ایک تہائی (۱/۳) اونچائی پر واقع ہوتی ہے۔مثلاً /o/(او)، /e/(اے)۔

(iv)۔ نچلے وسطی: وہ مصوتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان دہنی جوف میں ''اونچے'' سے ''نچلے'' تک کی اونچائی میں تقریباً دو تہائی (۲/۳) اونچائی پر واقع ہوتی ہے۔مثلاً/e/(اَ)۔

۲۔زبان کا حصہ جہاں سے مصوتہ برآمد ہوتا ہے۔اس بنیاد کے مطابق مصوتوں کی درج ذیل تین قسمیں بنتی ہیں:۔

(i)۔اگلے:۔وہ مصوتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان کا اگلا حصہ سخت تالو کے مقابل اوپر اُٹھتا ہے۔مثلاً۔ /I/(اِ) ، /i/(ای)، /e/(اے)۔

(ii)۔درمیانی:۔وہ مصوتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان کا درمیانی حصہ سخت تالو کے مقابل اوپر اُٹھتا ہے۔مثلاً۔ /e/(اَ)۔

(iii)۔پچھلے:۔وہ مصوتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو کے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مقابل اوپر اُٹھتا ہے۔ مثلاً۔ /a/ (آ)، / o / (او)، / U / (اُ) /u/ (اوٗ)۔

۳۔ ہونٹوں کی شکل: اس کی بنیاد کے مطابق مصوتوں کی دو قسمیں بنتی ہیں:۔

(i)۔ مدوّر:۔ وہ مصوتے ہیں جن کی ادائیگی میں ہونٹ گول ہو جاتے ہیں۔ مثلاً۔ /o/ (او)، / u / (اوٗ)، /U/ (اُ)۔

(ii)۔ غیر مدوّر:۔ وہ مصوتے ہیں جن کی ادائیگی میں ہونٹ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔۔ مثلاً /e/ (اَ)، /ɪ/ (اے)، /i/ (ای)، /a/ (آ)۔

2۔ دوہرے مصوتے

دوہرے مصوتے وہ ہیں جن کے تلفظ میں زبان ایک مصوتے کی ادائیگی کی حالت سے فوری ہی دوسرے مصوتے کی ادائیگی کے لیے رواں ہو جاتی ہے۔ اُردو میں دو دوہرے مصوتے موجود ہیں۔ /ei/ (اَے) اور /eu/ (اَو)۔

ان مصوتوں کو مصوتی مستطیل دکھایا جاسکتا ہے:۔

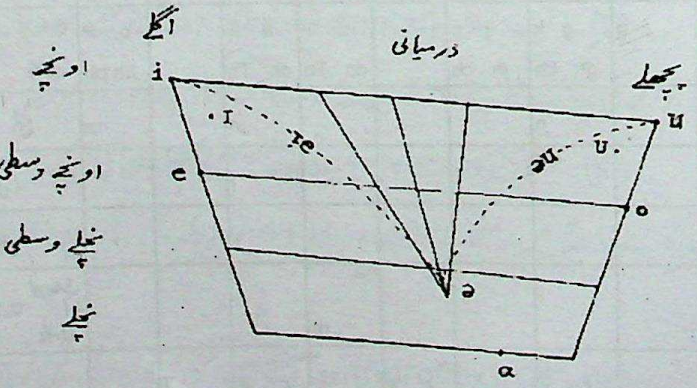

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُردو مصوتے اور انفیت

اُردو کے تمام مصوتے انفیائے جا سکتے ہیں۔ دیگر الفاظ میں یہ کہ مصوتہ نکالتے وقت ہوا ناک کے زریعے باہر نکالی جاتی ہے۔ نتیجتاً مصوتے میں انفیت شامل ہو جاتی ہے۔ مثلاً۔ /a/ (آں)، /i/ (ایں)، /u/ (اؤں) وغیرہ۔

اُردو مصمتے

مصمتہ وہ ہے جس کی ادائیگی میں ہوا ذہنی جوف میں کہیں نہ کہیں پوری طرح یا جزوہ طور پر رُک کر نکلتی ہے۔ اُردو میں کل ۳۸ مصمتے ہیں۔ درج ذیل جدول میں انھیں دکھایا گیا ہے:-

مخرج / طرز ادائیگی	دولبی	لب و دندانی	لثوی	مقعری	حنک لثوی	تالوئی	شفائی	لہاتی	حلقی
	سموع / غیر سموع	سموع / غیر سموع	سموع / غیر سموع	سموع / غیر سموع	سموع / غیر سموع	سموع / غیر سموع	سموع / غیر سموع	سموع / غیر سموع	سموع / غیر سموع
بندشی غیر ہکاری	b P		d T	d T		j c	g k	q	
بندشی ہکاری	bh ph		dh Th	dh Th		jh ch	gh kh		
انفی	m		n				n		
پہلوئی			i						
ارتعاشی			r						
تکریری غیر ہکاری									
تکریری ہکاری				rh					
صغیری		f	z s		z s		r x		h
غیر صغیری جاریے		v				y			

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُردو مصمتوں کی درج زیل بنیادوں پر درجہ بندی کی جاسکتی ہے:۔

I۔ مخرج

II۔ طرزِ ادائیگی

III۔ صوت تانتوں کا ارتعاش

IV۔ ہکاریت

I۔مخرج(Point of articulation):۔ تکلمی عمل میں یہ دکھایا گیا ہے کہ پھیپھڑوں سے نکلتی ہوئی ہوا حلق، حلقوم اور دہنی جوف سے گذر کر باہر نکلتی ہے۔مخرج حلق، حلقوم اور دہنی جوف میں وہ جگہ یا مقام ہے۔ جہاں ساب سے زیادہ ہوا کا انقباض ہوتا ہے۔اس بنیاد کے مطابق مصمتوں کے درج ذیل گروہ بنتے ہیں:۔

(i)۔ دولبی (Bilabial):۔ دولبی مصمتے وہ ہیں جو دونوں ہونٹوں کی مدد سے نکالے جاتے ہیں۔مثلاً /P/(پ)، / b /(ب)، /m/(م)وغیرہ۔

(ii)۔ لب دندانی (labio-dental):۔ وہ مصمتے ہیں جو اوپری دانت اور نچلے ہونٹ کی مدد سے نکالتے جاتے ہیں۔مثلاً /f/(ف)، /v/(و)وغیرہ۔

(iii)۔ لثوی(alveolar):۔ وہ مصمتے ہیں جو زبان کی نوک اور لثے کی مدد سے نکالے جاتے ہیں۔مثلاً /t/(ت،ط)، / d /(د) ، / L /(ل)، / r /(ر) وغیرہ۔

(iv)۔معکوسی(retroflex): وہ مصمتے ہیں جن کے بولنے میں زبان کی نوک سخت تالو کی طرف پیچھے مڑ جاتی ہے۔مثلاً /t/(ٹ)، /d/(ڈ)، /r/(ڑ)، /rh/(ڑھ)

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

وغیرہ۔

(v)۔ حنک لثوی (Palato-alveolar): وہ مصمتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان کی نوک اور اگلا حصہ لثے کے مقابل رہتا ہے اور زبان کا پھل (Blade) تالو کی طرف اوپر اُٹھتا ہے۔ مثلاً /s/ (ش)، /z/ (ژ) وغیرہ۔

(vi)۔ تالوئی (Palatal): وہ مصمتے ہیں جن کے نکالنے میں زبان کا اگلا حصہ تالو کے مقابل رہتا ہے۔ مثلاً /c/ (چ)، /j/ (ج)۔

(vii)۔ غشائی (Velar): وہ مصمتے ہیں جن کے نکالنے میں زبان کا پچھلا حصہ اور غشا دونوں مدد کرتے ہیں۔ مثلاً۔ /k/ (ک)، /g/ (گ)، وغیرہ۔

(viii)۔ لہاتی (uvular): وہ مصمتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان کا پچھلا حصہ اور لہات کام کرتے ہیں۔ مثلاً /q/ (ق)۔

(ix)۔ حلقی (glottal): وہ مصمتے ہیں جو حلق میں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً۔ /h/ (ح، ہ)۔

II۔ طرزِ ادائیگی (manner of articulation):۔ اس سے مراد ہوا کا وہ عمل ہے جو کسی مصمتے کے تلفظ میں کام کرتا ہے۔ دیگر الفاظ میں مصمتے کی ادائیگی کا ہو عمل جس میں ہوا پوری طرح سے رُک جاتی ہے یا جزوی طور پر رُکتی ہے یا رگڑ کے ساتھ نکلتی ہے یا انفی راستے سے نکلتی ہے۔ اس بنیاد کے مطابق اُردو مصمتوں کے درج ذیل گروہ بنتے ہیں۔

(i)۔ بندشی (stops):۔ وہ مصمتے ہیں جن کے بولنے میں تلفظ کار مخرج سے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

چمٹ کر ہوا کے راستے کو مکمل طور پر بند کر دیتا ہے۔ ہوا کا یہ بند جب کُھلتا ہے تو تلفظ کار اور مخرج پھرتی سے الگ ہوتے ہیں اور ہوا دباؤ کے ساتھ باہر نکل جاتی ہے۔ مثلاً ۔ /p/ (پ)، /t/ (ٹ)، /k/ (ک)، /q/ (ق) وغیرہ۔

(ii)۔ انفی (nosals): وہ مصمتے ہیں جن کے نکالنے میں ذہنی جوف میں ہوا کے راستے میں پوری طرح رُکاوٹ ہوتی ہے مگر جب کھلتا ہے تو ہوا ناک کے ذریعے باہر نکلتی ہے۔ مثلاً ۔ /m/ (م)، /n/ (ن) وغیرہ۔

(iii)۔ پہلوئی (lateral): وہ مصمتے ہیں جن کے بولنے میں زبان ہوا کے راستے میں زرا سا اوپر اُٹھ جاتی ہے اور ہوا زبان کے دونوں کناروں سے باہر نکلتی ہے۔ مثلاً ۔ /l/ (ل)۔

(iv)۔ ارتعاشی (trills): وہ مصمتے ہیں جو زبان کی نوک کے لثے کے اوپری حصے سے وقفہ در وقفہ بہ سرعت ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً ۔ /r/ (ر)۔

(v)۔ تکریری (flapped): وہ مصمتے ہیں جو زبان کی نوک کے لثے کے اوپری حصے سے ایک بار ٹکرانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً /r/ (ڑ)، /rh/ (ڑھ)۔

(vi)۔ صغیری (fricatives): وہ مصمتے ہیں جو ہوا کی رگڑ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی ادائیگی میں تلفظ کار مخرج کے قریب آ کر ہوا کے راستے کے اتنا تنگ کر دیتا ہو کہ ہوا رگڑ کے ساتھ باہر نکلتی ہے۔ مثلاً /f/ (ف)، /z/ (ذ ز ض ظ)، /x/ (خ)، /r/ (غ) وغیرہ۔

(vii)۔ غیر صغیری جایے (frictionless continuants): وہ مصمتے

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہیں جو صغیری مصمتوں کی طرح ادا ہوتے ہیں مگر ان کی ادائیگی میں ہوا میں رگڑ نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ضعیف تنفّسی بل کے زریعے نکالے جاتے ہیں۔ مثلاً /v/(و)، /y/(ی)۔

III۔ صوت تانتوں کا ارتعاش:۔ تلفظی عمل میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کچھ مصمتوں کے بولنے میں صوت تانت ارتعاش کرتے ہیں اور کچھ بولنے میں نہیں۔ وہ مصمتے جن کی ادائیگی میں صوت تانت ارتعاش کرتے ہیں مسموع (vioced) کہلاتے ہیں۔ اور وہ جن کی ادائیگی میں صوت تانت ارتعاش نہیں کرتے غیر مسموع (vioceless) کہلاتے ہیں۔ مثلاً۔ /p/(پ) غیر مسموع ہے تو /z/(ز ذ ض ظ) مسموع ہے۔

IV۔ ہکاریت:۔ تلفظی عمل میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ کچھ مصمتے ہوا کی پھنکار کے ساتھ نکلتے ہیں اور کچھ میں پھنکار نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ مصمتے جو پھنکار کے ساتھ نکالے جاتے ہیں ہکاری کہلاتے ہیں اور جن میں پھنکار نہیں ہوتی غیر ہکاری مثلاً /k/(ک) غیر ہکاری مصمتہ ہے تو /kh/(کھ) ہکاری مصمتہ۔

□□□

G.M. College of Education
Raipur, Bantalab
Jammu.
Acc. No. 10768
Dated 20-1-2015
CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh. Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-Grant

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

AKSHIT PUBLICATIONS

CC-0 Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh.Funding by IKS-MoE-2025-C